cert

صُحُفاً مُطَہَّرَۃً فِیہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ

سلسلۂ دار المصنفین

(۴۸)

مقالاتِ شبلیؒ

(تاریخی حصہ اوّل)

جلد پنجم

یعنی علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اُن تاریخی مضامین کا مجموعہ جو نامورانِ اسلام کے سوانح حیات

سے متعلق ہیں، اور جن کو الندوہ وغیرہ سے یکجا کیا گیا ہے

(مرتبہ)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع گردید

طبع دوم　　کتبہ اقبال احمد　　سنہ ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مقالاتِ شبلیؒ کے جو حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، ان سے اگرچہ اس غلط خیال کی تردید ہو چکی ہے کہ مولانا شبلی مرحوم تاریخ کے سوا اور کوئی فن نہین جانتے تھے، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ تاریخ ان کا خاص فن تھا، اور تاریخی کتابون کے علاوہ انھون نے بہت سے تاریخی عنوانات پر نہایت کثرت سے مضامین لکھے تھے جن کی دو جلدین رسائلِ شبلیؒ و مقالاتِ شبلی کے نام سے اُن کی زندگی ہی مین شائع ہو چکی تھین، اس کے بعد بھی وہ اس قسم کے دوسرے تاریخی عنوانات پر مضامین لکھتے رہے، جو زیادہ تر الندوہ مین شائع ہوئے ہین،

ان مضامین کی دو قسمین ہین، کچھ مضامین تو مشہور لوگون کے سوانحِ حیات سے تعلق رکھتے ہین، اور کچھ کسی خاص تاریخی مسئلہ پر لکھے گئے ہین، لیکن اگر ان تمام مضامین کو ایک ہی جلد مین شائع کر دیا جاتا تو اس کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ جاتی، اور مضامین کی وحدت اور یکرنگی مین فرق آجاتا، اس لئے ان مضامین کو دو حصون مین تقسیم کر دیا گیا ہے، پہلے حصہ مین صرف اکابرِ اسلام کے سوانحِ حیات

متعلق مضامین درج کئے گئے ہیں، اور یہی حصہ اس وقت شائع کیا جارہا ہے، دوسرے حصہ میں
وہ مضامین درج کئے جائینگے جو کسی تاریخی مسئلہ سے متعلق ہیں، اور یہ جلد اس کے بعد شائع ہوگی،
اس جلد کے تمام مضامین الندوہ سے لئے گئے ہیں، صرف ایک غیر مطبوعہ مضمون جو معارف
میں ان کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے، معارف سے لیا گیا ہے،

سید سلیمان ندوی،

دار المصنفین، اعظم گڈھ
۱۶ر جنوری ۱۹۳۶ء،

فہرست مضامین

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (۵)

(تاریخی حصّہ اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اسماءؓ

(اخلاقِ عرب)

ایک نکتہ دان شخص نے کس قدر سچ کہا کہ "ہم کو صرف یہی رونا نہین ہے کہ ہماری زندون کو، یورپ کے زندون نے مغلوب کرلیا ہے، بلکہ یہ رونا بھی ہے کہ ہمارے مردون پر بھی یورپ کے مردون نے فتح پالی ہے"! ہر موقع اور ہر محل پر جب شجاعت، ہمت، غیرت، علم وفن غرض کسی کمال کا ذکر آتا ہے، تو اسلامی نامورون کے بجائے یورپ کے نامورون کا نام لیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ نہین کہ قوم سے قومی حمیت کا مادہ بالکل جاتا رہا، بلکہ اس کی وجہ یہی ہے کہ جدید تعلیم مین ابتدا سے اخیر تک اس بات کا موقع ہی نہین ملتا کہ اسلاف کے کارنامون سے واقفیت حاصل کیجائے۔ اس لئے جب فضائلِ انسانی کا ذکر آتا ہے تو خواہ مخواہ انہی لوگون کا زبان پر آتا ہے، جن کے واقعات کی آوازین کانون مین گونج رہی ہین، اور یہ وہی یورپ کے نامور ہین؛

یہ سلسلۂ مضامین اسی غرض سے قائم کیا گیا ہے۔ کہ جن لوگون کو عربی زبان پر دسترس نہ ہونے

کی وجہ سے اسلاف کے کارنامون سے اطلاع نہین، وہ رفتہ رفتہ ان واقعات سے واقف ہو جائینگے
اس وقت خود بخود یہ حالت پیدا ہوگی کہ یورپین نامون کے ساتھ عرب کے مقدس نام بھی
ہمارے نوجوانون کی زبانون پر ہونگے،

عورتون کا استقلال وثبات دولیری وآزادی

حجاج بن یوسف نے جب عبداللہؓ بن زبیرؓ کا مکہ معظمہ مین محاصرہ کیا، اور ہر طرف سے رسد وغیرہ کی بندی کردی، تو عبداللہ بن زبیرؓ کی جمعیت مین کمی ہونی شروع ہوئی، یہان تک کہ چند مہینون کے بعد ان کے ساتھ صرف گنتی کے آدمی رہ گئے، وہ اپنی مان کے پاس گئے، اور کہا کہ مین اب مقابلہ سے عاجز آچکا، آپ کی کیا راے ہے؟ کیا مین حجاج سے صلح کرلون، بولین کہ "جان مادر! اگر تم ناحق پر تھے تو تم نے یہی بڑی غلطی کی کہ آج تک اپنی غلطی پر قائم رہے، اب یہ دوسری غلطی ہے کہ اب بھی اپنی ضد پر قائم ہو، لیکن اگر تم حق پر تھے، تو حق سے کسی حالت مین باز نہین آنا چاہئے" عبداللہ بن زبیرؓ کو چونکہ اپنے برسر حق ہونے کا یقین تھا، عزم کرلیا کہ لڑکر مرجائین گے، باہر آکر اسلحۂ جنگ منگوائے، اور ہتھیار سج کر مان سے رخصت ہونے کیلئے دوبارہ گھر مین گئے، مان سے کہا کہ آخری رخصت کے لئے حاضر ہوا ہون، انھون نے گلے سے لگالیا، عبداللہ بن زبیرؓ کے کپڑون کے نیچے زرہ تھی گلے لگانے مین ان کو اس کی سختی محسوس ہوئی، تو پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے، بولے کہ زرہ، انھون نے کہا جانِ مادر! جو لوگ جان پر کھیلتے ہین، وہ زرہ نہین پہنتے، انھون نے زرہ اُتار کر پھینکدی، اچلتے ہوے مان سے کہا کہ مجھ کو جو کچھ رنج ہے وہ صرف یہ ہے کہ حجاج میری لاش کا مثلہ کرے گا، یعنی ناک کان کٹوائے گا، بولین کہ "بکری جب ذبح ہو چکتی ہے، تو پھر اس کو کھال کے کھینچے جانے کی تکلیف محسوس نہین ہوتی"، مان سے رخصت ہو کر حرم کعبہ مین گئے،

لہ عبداللہ بن زبیرؓ بڑی عظمت وجلال کے صحابی تھے، حضرت امام حسینؓ کے بعد انھون نے خلافت کا دعویٰ کیا، اور ایک مدت تک بنو امیہ کے حریف مقابل رہے، اکثر مورخین ان کو خلیفۂ پنجم لکھتے ہین،

ساتھیون سے کہا کہ تم سے جو بن آئے کرو مین تو اب پہلی صف مین ملون گا، یہ کہکر حملہ کیا، اور پہلے ہی حملہ مین دشمن کی صفِ اوّل الٹ دی لیکن دشمنون نے اس قدر پتھر برسائے. کہ ان کی پیشانی زخمی ہوئی خون بہ کر قدمون پر گرا، تو یہ شعر پڑھا،

فلسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا | ولکن علی اقدامنا تقطر الدم

ہمارے زخمون کا خون ہماری پیٹھ پر نہین | بلکہ ہمارے قدم پر ٹپکتا ہے

آخر بڑی شجاعت سے لڑکر شہید ہوئے، حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکا دی، لوگون نے کہا. کہ ان کی مان کے پاس بھجوا دیجئے، حجاج نے کہا ان کی مان خود مانگ بھیجین تو بھیجدون، لوگون نے ان کی مان سے آکر کہا، وہ سنکر چپ ہو رہین، چند روز کے بعد اتفاقاً اُس طرف سے گذرین بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی دیکھی، تو نظر اٹھا کر دیکھا، اور کہا کہ

اما آن لھذا الفارس ان تیرجل | کیا اب بھی یہ وقت نہین آیا. کہ یہ شہسوار اپنے گھوڑے سے اتر آئے،

مکہ معظمہ جب فتح ہوا، تو کثرت سے لوگ اسلام لاتے جاتے تھے، اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کرتے جاتے تھے. جب عورتون کی باری آئی، تو ہند (امیر معاویہؓ کی مان) نقاب ڈال کر آئی. بیعت کے وقت جن باتون کا اقرار لیا جاتا تھا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو پیش کیا تو یہ گفتگو ہوئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم اقرار کرو کہ شرک نہ کروگی،

ہند۔ آپ تو ہم سے اُن باتون کا اقرار لیتے ہین کہ مردون سے نہین لیتے، اچھا ہم اقرار کرتے ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ کہ چوری نہ کروگی،

ہندہ، میں ابوسفیان کے مال سے دو چار آنے چوری سے لے لیا کرتی تھی، کیا یہ بھی حرام ہے؟

ابوسفیان برابر سے بولے کہ اس کو میں نے خود معاف کیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ کہ تم زنا نہ کروگی،

ہندہ، کیا شریف عورت بھی ایسا کرتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور یہ کہ اپنی اولاد کو نہ مار ڈالوگی، (دختر کشی کی طرف اشارہ تھا)

ہند، قد ربینا ھم صغاراً	ہم نے تو ان کو بچپن میں پالا تھا، جب بڑے
وقتلتھم یوم بدر کباراً	ہوئے تو آپ نے بدر کی لڑائی میں ان کو مار ڈالا
فانت وھم اعلم[1]	تو آپ اور وہ باہم سمجھ لیجیے،

عرب کی آزادپسندی دیکھو کہ اس پر صحابہ نے برا نہیں مانا، بلکہ حضرت عمرؓ باوجود تصلب اور سخت مزاجی کے ہنس پڑے،

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۶۶۳،

المعتزلہ و الاعتزال

اسلام کے اُن بہت سے فرقون سے جن کی تعداد کو ایک پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لیے (۷۳) تک پہنچایا گیا ہے، صرف چار فرقے ہین جن کو زیادہ تر کامیابی ہوئی اور جو مدت تک موجود رہے، یعنی سنی، شیعہ، معتزلہ، باطنیہ، ان مین سے دو آخر الذکر آج بالکل معدوم ہین، معتزلہ اگرچہ دنیا سے ناپید ہوگئے، لیکن ایک مدت تک اُن کو بہت عروج رہا، بڑے بڑے نامور مصنفین اُن مین پیدا ہوئے، مشہور خلفاء اور سلاطین نے فخریہ اس لقب کو اختیار کیا، متعدد علوم اسی فرقہ کی بدولت عالم وجود مین آئے، غرض وہ خود اگرچہ دنیا مین نہین رہے لیکن مذہب مین، علم مین، تصنیف مین، لٹریچر مین ان کی بہت سی یادگارین اب بھی موجود ہین، اور زمانہ اُن کو آیندہ بھی مٹا نہین سکتا، البتہ یہ افسوس ہے کہ اُن کے مٹنے کے ساتھ ان کی تاریخ بھی مٹتی جاتی ہے، اور ایک ایسے مشہور فرقہ کے واقعات کا معدوم ہو جانا تاریخی دنیا کا بہت بڑا افسوسناک حادثہ کہا جاسکتا ہے، اس لحاظ سے خیال ہوا کہ معتزلہ کے متعلق ایک مختصر سا مضمون جس مین مذہب اعتزال کی ابتدا اور اس کی اشاعت، عہد بعہد کی ترقیان، ترقی و تنزل کے اسباب، مشہور معتزلیون کے مختصر حالات، اعتزال کے مسائل اور ان پر ریویو، دوسرے فرقون پر اس مذہب کا اثر، یہ اور اس قسم کے امور لکھے جائین، اس مضمون کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جس مین اعتزال کی اجمالی تاریخ ہے، اور ٹکڑے وقتاً فوقتاً تہذیب الاخلاق مین شائع ہونگے

اعتزال اگرچہ اور مذاہب کی طرح صحابہؓ کے اخیر زمانہ مین پیدا ہوا، لیکن اس کے ابتدائی آثار عین شروع اسلام مین موجود تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان مذاہب مین سے کسی مذہب کی نسبت

خصوصیت کے ساتھ یہ کہنا کہ وہ فلان زمانہ مین پیدا ہوا ایک قسم کی ناانصافی ہے، یا تو یہ کہنا چاہیے کہ ابتدائے اسلام یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کے زمانہ مین تسنن، تشیع، اعتزال، قدر، کوئی مذہب موجود نہ تھا، یا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ تمام مذاہب اسی زمانہ مین پیدا ہو چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اسلام ایک نہایت اجمالی اور سادہ چیز تھی، یعنی عقائد مین کلمۂ توحید، اور اعمال مین فرائضِ خمسہ، عقائد کی سادگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کچھ زمانہ تک قائم رہی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ روم وفارس کی مہمات شروع ہو گئین، اور عرب کی دماغی اور عملی قوت کا سارا زور مہمات ملکی کی طرف مصروف ہو گیا، ان معرکہ آرائیون مین کلمۂ توحید کا اجمالی مسئلہ تو ہمیشہ تازہ رہا، کیونکہ جن قومون پر حملے کیے جاتے تھے، ان کے سامنے جنگ سے پہلے یہی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا، لیکن وہ اسی حد تک تھا کہ خدا ہے، یہ تفصیل اور باریک بینیان کہ ہے تو کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہین؟ اس کی قدرت کے کیا حدود ہین؟ وغیرہ وغیرہ، اس وقت نہ پیدا ہوئین اور نہ ہو سکتی تھین،

تاہم صحابہ مین چونکہ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو علمی اشغال مین مصروف تھا، اور جن کو مہمات ملکی سے بہت کم تعلق رہتا تھا، اس لئے عقائد مین کسی قدر بحث وتدقیق شروع ہو گئی اور مختلف فرقون کے وجود کی گویا بنیاد قائم ہوئی، صحابہ کے زمانے تک عقائد مین جو اختلافات پیدا ہوئے ان مین سے چند یہ ہین:-

اکثر صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے، حضرت عائشہؓ کو اس سے انکار تھا، عبد اللہ بن عباسؓ کا مذہب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، حضرت عائشہؓ اس کی منکر تھین، عبد اللہ بن عمرؓ سماعِ موتی کے قائل تھے، بعض صحابہؓ اس کے سخت مخالف تھے، ابوہریرہؓ کا عقیدہ تھا کہ عزیزون کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ اس کی مخالف تھین، عقائد کے متعلق تو انھی چند مسائل مین اختلاف ہوا، لیکن اعمال چونکہ محسوس پیرایہ رکھتے تھے،

اور روزانہ ان سے کام پڑتا تھا، اس لئے ان مین نہایت کثرت سے اختلافات پیدا ہو گئے، بعض اختلافات جو وضو اور نماز کے مسائل کے متعلق تھے، اُن کی تفصیل یہ ہے،

عبداللہ بن عباسؓ، وضو مین اعضا کو ایک ایک بار دھونا چاہیئے،

ابوہریرہؓ دو دو بار،

ابوہریرہ، آگ پر پکی ہو چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

جابرؓ نہین ٹوٹتا،

عائشہؓ، نماز فجر منھ اندھیرے پڑھنی چاہیے،

رافع بن خدیج، اسفار کرنا چاہیے،

عائشہؓ، عصر مین جلدی کرنی چاہیے،

اُم سلمہؓ، تاخیر کرنی چاہیے،

انسؓ بن مالک و ابن عمرؓ، اقامت اکہری کہنی چاہیے،

عبداللہ بن زیدؓ، دوہری چاہیے،

علیؓ و ابن عباسؓ و ابوہریرہؓ، فجر مین قنوت پڑھنا چاہیے،

ابومالکؓ اشجعی، نہین،

ابوبکرؓ، عمرؓ، انسؓ، ابودرداؓ، مسح علی العمامہ جائز ہے،

بعض دیگر صحابہؓ، نہین،

اکثر صحابہؓ، مسح علی الخفین جائز ہے،

عائشہؓ و ابن عباسؓ، جائز نہین،

لیکن عقائد اور اعمال کے ان اختلافات نے کسی قسم کا محسوس تفرقہ نہین پیدا کیا، سب لگ

ایک لقب یعنی مسلمان کے نام سے پکارے جاتے تھے، ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، دوستانہ ملتے جلتے تھے، حضرت علیؓ کے اخیر زمانہ یعنی ۳۷ھ مین جب انھون نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور حکم کا فیصلہ تسلیم کر لیا، تو خود ان کے ساتھیون مین سے کئی ہزار آدمی اُن سے الگ ہو گئے کہ (لاحکم الا للہ) یعنی مذہب کے حق و باطل کا فیصلہ ثالث اور حکم کی راے پر نہین ہو سکتا، یہ پہلا فرقہ تھا جو اسلام مین قائم ہوا، کیونکہ ان لوگون نے تمام مسلمانون سے جو اُن کی راے سے موافق نہ تھے ہر طرح پر علیحدگی اختیار کی، اور ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص ان کا ہم عقیدہ نہین وہ مسلمان نہین، اس مناسبت سے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے دائرہ سے خارج ہو گئے، ان کا نام خارجی مشہور ہوا، اس امتیازی نام سے اس بات کی ابتدا ہوئی کہ اختلافِ آرا کی بنا پر جدا جدا فرقے قائم ہون اور ان کے جدا جدا نام رکھے جائین،

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ تمدّن کی وسعت کا خود اقتضا تھا کہ اسلام کے مجمل عقائد روز بروز وسیع ہوتے جائین، اور نئے نئے فرقے قائم ہون، لیکن پہلے وہی فرقے قائم ہوئے جن کو پالٹیکس سے بھی کچھ لگاؤ تھا، خارجیون کی ابتدا اسی حیثیت سے ہوئی شیعہ فرقہ تو گویا پولٹیکل فرقہ تھا، قدریہ مذہب جو ان دونون کے بعد پیدا ہوا اور جو مذہب اعتزال کی اصل بنیاد ہے، وہ بھی پولٹیکل حیثیت سے خالی نہ تھا، سب سے پہلے قدر کی نسبت جس نے گفتگو کی وہ معبد جہنی تھا، یہ بنو امیہ کا زمانہ تھا اور استحکامِ سلطنت کے لیے ہمیشہ خونریزیان کی جاتی تھین، ملک مین ان سفاکیون کی وجہ سے نہایت ناراضی پھیلی ہوئی تھی، اور چونکہ اس وقت تک عرب مین آزادی کا مادہ باقی تھا وہ متعجب ہو کر افسرانِ سلطنت سے پوچھتے تھے کہ تم مسلمان ہو کر ان خونریزیون کو کیونکر جائز رکھتے ہو، ان کی طرف سے جواب ملتا تھا کہ ہم کچھ نہین کرتے، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے، القدر خیرہ و شرہ، معبد جہنی بھی انھی لوگون مین سے تھا، چنانچہ ایک دفعہ حسن بصری کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس مسئلہ کے متعلق ان کی راے دریافت کی، انھون نے کہا کذب اعداء اللہ یعنی دشمنانِ خدا (بنی امیہ) جھوٹے ہین،[1]

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۲۲۵،

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور مذاہب کی طرح اعتزال کے ابتدائی آثار بھی خود آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کے زمانہ میں موجود تھے صحابہ میں سے اگرچہ بہت سے ایسے تھے جو مذہبی مسائل کے متعلق کچھ غور کرنا نہیں چاہتے تھے یا عقل کو دخل دینا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ایسے بھی تھے جو ہر بات کو عقل کے معیار سے جانچتے یا کم سے کم یہ کہ عقل کو معاملاتِ شرعیہ میں بیکار نہیں خیال کرتے تھے، یہی اعتزال کی اصلی بنیاد تھی، جس پر آگے چل کر بڑی بڑی عمارتیں قائم ہوئیں،

اعتزال کا سب سے پہلا مسئلہ جو مذہبِ اعتزال کی تاریخ کا آغاز ہے، یہ تھا کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے، خدا نہیں کراتا، اس مسئلہ کو قدر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معتزلیوں کا دوسرا نام قدریہ بھی ہے، اسی مناسبت سے وہ اپنا لقب عدلیہ رکھتے تھے۔ کیونکہ خدا کا عادل ماننا اس بات پر موقوف ہے کہ انسان کو اپنے افعال کا مختار مانا جائے، اور معتزلہ ایسا ہی مانتے تھے، اس مسئلہ کو سب سے پہلے معبد جہنی نے شائع اور مشتہر کیا، اور اسی وجہ سے قدریہ کے لقب سے مشہور ہوا، چونکہ اعتزال اور قدر کے اصول پالٹیکس سے بھی ایک خفیف تعلق رکھتے تھے اور معبد علانیہ حکومتِ بنی امیہ کو برا کہتا تھا، عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ ہجری میں حجاج کے ہاتھ سے اس کو قتل کرا دیا[1]،

معبد کے بعد غیلان دمشقی نے جو قبطی النسل تھا، اس مسئلہ کی ترویج کی، اس کے ساتھ چند اور مسائل بھی مذہب اعتزال میں شامل کر لئے، جن میں ایک امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی تھا، یہ مسئلہ حکومت کے لیے ایک پرخطر مسئلہ تھا، اور چونکہ غیلان نہایت بے باکی سے اسکا اعلان کرتا تھا، ہشام بن عبدالملک نے جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا، دمشق میں بلا کر اس کو پھانسی دے دی،

معبد و غیلان نے جو ارکان اعتزال تھے، اگرچہ بہت کم زمانہ پایا لیکن اتنے ہی عرصہ میں اعتزال کو بہت ترقی ہو گئی سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے یہ مذہب قبول کر لیا، اور اس کے بڑے بڑے

[1] مقریزی ج دوم ص ۳۵۶،

اصول مرتب ہو کر ظلمبند ہو گئے،

اسی زمانہ مین دو شخصون نے جو اتفاق سے ایک ہی سنہ یعنی سنہ۸۰ھ مین پیدا ہوئے تھے، اس مذہب کو زیادہ رونق دی، یعنی عمرو بن عبید اور واصل بن عطا، یہ دونون حسن بصری کے شاگرد تھے، اور انُ کے حلقۂ درس مین جو بصرہ کی مسجد مین منعقد ہوا کرتا تھا، اکثر شریک ہوا کرتے تھے، ان دنون خوارج کے اس مسئلہ کا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے، بہت چرچا تھا، حسن کی مجلس مین اس کا ذکر آیا تو واصل نے کہا کہ مین ایک تیسری شق اختیار کرتا ہون وہ یہ کہ مرتکب کبائر نہ مسلمان ہے نہ کافر، اس پر حسن نے سخت ناراضی ظاہر کی، واصل و عمرو بن عبید دونون ان کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے، اور اسی مسجد مین اپنا ایک حلقۂ درس قائم کیا، حسن کے حلقہ سے الگ دیکھ کر لوگون نے ان کو معتزلہ کہنا شروع کیا، اور اس لقب کی ایجاد کا یہ پہلا دن ہے،

یہ دونون مذہب اعتزال کے دست و بازو اور فضل و کمال کے چشم و چراغ تھے، واصل عرب کے نہایت مشہور بلیغون مین شمار کیا گیا ہے، اس کی قادر الکلامی کی ایک مثال یہ ہے کہ چونکہ وہ الثغ تھا یعنی اس کی زبان سے "ر" کا حرف نہین ادا ہوتا تھا، اس لیے جو لکچر دیتا یا کوئی عبارت لکھتا یا بولتا عموماً "ر" سے خالی ہوتی تھی، علم کلام کا پہلا موجد وہی ہے، اصول اولین اسی نے بیان کیے، علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل مین بہت سے اولیات اس کی طرف منسوب کیے ہین، چنانچہ لکھا ہے کہ ملحدون کا رد اول اسی نے لکھا، مسائل فقہیہ کے چار ماخذ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اول اسی نے قرار دیے، عام و خاص کی اصطلاح اول اسی نے قائم کی، یہ مسئلہ کہ نسخ احکام مین ہو سکتا ہے نہ اقوال مین، اول اسی نے بیان کیا، علامہ ابن خلکان نے اس کی بہت سی تصنیفات کے نام گنائے ہین، جو نہایت عمدہ مضامین پر لکھی گئی ہین،

عمرو بن عبید کمالات علمی کے علاوہ نہایت زاہد، عابد اور دنیا سے بے نیاز تھا، حسن بصری

سے ایک شخص نے اس کی نسبت سوال کیا تو انھون نے کہا تم ایسے شخص کی نسبت پوچھتے ہو جس کو گویا فرشتون نے ادب سکھلایا ہے، اور انبیا نے اس کی تربیت کی ہے، مین نے اس سے زیادہ کسی کے ظاہر کو باطن کے ساتھ موافق نہین پایا، خلیفہ منصور عباسی کے دربار مین اس کا آنا، اور نہایت بے نیازی اور آزادی سے گفتگو کرنا نہایت دلچسپ واقعہ ہے، جس کا تذکرہ تمام مورخین نے کیا ہے، اس کے مرنے پر خود مرثیہ لکھا، اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یہ شرف یعنی خلیفۂ وقت کا مرثیہ لکھنا عمرو بن عبید کے سوا دنیا مین کسی کو حاصل نہین ہوا، غرض واصل اور عمرو کی نکتہ آفرینی سے مذہب اعتزال نے نہایت وسعت پیدا کی، عدل و قدر کے علاوہ اور بہت سے دقیق مسائل مذہب اعتزال مین شامل ہو گئے، ملک مین ان مسائل کا زیادہ چرچا ہوتا گیا، یہانتک کہ رفتہ رفتہ اس نے دربار خلافت مین بھی بار پایا، یزید بن ولید بن عبد الملک نے علانیہ یہ مذہب قبول کیا، اور جب ولید بن یزید نے جو سنہ ۱۲۵ھ مین تخت نشین ہوا تھا، زیادہ عیاشی اور عیش پرستی شروع کی تو یزید ناقص نے امر بالمعروف کے دعوے سے جو اعتزال کے مسائل کا پانچوان اصول تھا، اشتہار جنگ دیا اور بہت سے معتزلہ اس کے ساتھ ہو گئے، یزید نے فتح حاصل کی اور ولید کو قتل کرادیا، حکومت کا پایہ تھام کر اعتزال نے اور زیادہ ترقی کی، ولید نے سنہ ۱۲۶ھ مین وفات پائی اور اس کے بعد سنہ ۱۳۲ھ مین دولت بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا، دولت عباسیہ کا دوسرا بادشاہ منصور اگرچہ خود کسی خاص مذہب کے انتساب سے مشہور ہونا نہین چاہتا تھا، لیکن چونکہ عمرو بن عبید سے جس کا ذکر اوپر گذر چکا، بچپن کی دوستی تھی، اور دونون مدت تک ایک ساتھ تحصیل علم کرتے رہے تھے، اس کے علاوہ عمرو بن عبید کی بے ریا خدا پرستی اور زہد و قناعت کا دل سے معترف تھا، خود بخود اس کے عہد مین اعتزال کو ترقی ہوئی، واصل بن عطا نے تمام اسلامی

سلہ ابن خلکان ترجمہ عمرو بن عبید سلہ یزید کا اعتزال اور معتزلین کا اسکا ساتھ دینا مسعودی نے یزید کے حالات مین بیان کیا ہے،

ممالک مین اپنے نقیب بھیجدیئے کہ مذہب اعتزال کی منادی کرین، عبد اللہ بن الحارث کو مغرب بھیجا اور بہت سے لوگون نے مذہبِ اعتزال پر بیعت کی حفص بن سالم کو خراسان روانہ کیا، وہان جہم بن صفوان سے جو مذہب جہمیہ کا بانی ہے، مناظرہ ہوا اور جہم نے زک پائی، اسی طرح ایوب کو جزیرہ، حسن بن ذکوان کو کوفہ، عثمانِ طویل کو آرمینیہ بھیجا، آرمینیہ مین بہت سے لوگون نے یہ مذہب قبول کیا،

ان واقعات کے سوا ایک نہایت قوی سبب اور پیدا ہوا جس نے اعتزال کا سکہ بٹھادیا،[1] منصور نے سلطنت کے استحکام سے مطمئن ہو کر علوم و فنون کی اشاعت پر توجہ کی، اور پہلوی، سریانی یونانی، ہندی زبانون سے حکمت و فلسفہ کی کتابین ترجمہ کرائین، سلطنت کے اثر سے ان ترجمون کو نہایت قبول حاصل ہوا، اور ملک مین فلسفیانہ مذاق کی گرم بازاری ہوگئی، یہود، عیسائی، پارسی جو حکومت کی رعایا تھے، انھون نے اس طرف زیادہ توجہ کی اور ساتھ ہی اسلام کے مسائل پر نکتہ چینیان شروع ہوگئین، منصور نے تلوار کے زور سے اس کو روکنا مناسب نہ سمجھا، بلکہ بحث کی عام اجازت دیدی، غیر مذہب والون کے مقابلہ مین محدثین اور فقہا اپنی روایت لیکر آئے لیکن وہان منقولات سے کیا کام چلتا تھا، آخر معتزلہ میدان مین آئے کہ ہم مذہب کو دلائل عقلی سے ثابت کرسکتے ہین، چنانچہ انھون نے اکثر معرکون مین غیر مذہب والون کو شکست دی، یہ دیکھکر کہ حمایت اسلام کیلئے مذہبِ اعتزال زیادہ کام آسکتا ہے، ملک کے ممتاز لوگون کو اعتزال کی طرف زیادہ توجہ ہوئی اور سینکڑون ہزارون آدمی معتزلی بن گئے، منصور کے بعد مہدی نے مذہبی آزادی کو روک دیا، مہدی کا خلف الرشید ہارون الرشید بھی اگرچہ فلسفہ و حکمت سے بے بہرہ تھا، تاہم چونکہ دربار برمکیون کے ہاتھ مین تھا، اور وہ انتہا درجہ کے آزاد خیال اور علم دوست تھے، اعتزال کا قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جاتا تھا، اخیر مین فقہا کے اشارہ سے ہارون نے مناظرہ کی مجلسین قطعاً بند کرادین[2] اور ساتھ ہی معتزلہ کی

[1] ملل و نحل لاحمد بن مرتضیٰ

ترقی بھی گویا رک گئی، لیکن جب مامون تخت نشین ہوا تو اس کمی کا پورا معاوضہ مل گیا، مامون نے خود مذہب اعتزال قبول کیا اور تمام بڑے بڑے معتزلی علماء دربار مین باریاب ہوئے، ابوالہذیل علاف و نظام مامون کے استاد تھے، اور مامون انکا نہایت ادب و احترام کرتا تھا، علاف و نظام دونون فلسفہ و حکمت کے بڑے استاد تھے، مامون کہا کرتا تھا، اظل ابوالہذیل علی الکلام کاظلال الغمام علی الانام یعنی ابوالہذیل نے علم کلام پر اس طرح سایہ کیا ہے، جس طرح بادل آدمی پر سایہ کرتا ہے،

ہارون کی روک ٹوک اور فقیہانہ تعصب نے غیر قومون کو یہ یقین دلادیا تھا کہ مذہب اسلام عقل کے مقابلہ مین ٹھہر نہین سکتا، یہ بدگمانی یہان تک بڑھی کہ غیر مذہب والون کو یہ عام خیال پیدا ہوا گیا کہ اسلام دنیا مین جو پھیلا وہ تلوار کے زور سے پھیلا، مامون نے یہ سنکر ایک عظیم الشان مناظرہ کی مجلس قائم کی تمام اطراف ملک سے ہر مذہب و ملت کے پیشوا طلب کیے، فرقۂ مانویہ کا رئیس مذہب جس کا نام یزدان بخت تھا، رے سے طلب ہوکر آیا،[۱] ہر شخص کو نہایت آزادی سے گفتگو کرنے کی عام اجازت دی گئی مسلمانون کی طرف سے مامون نے ابوالہذیل علاف کو مقرر کیا، چنانچہ ابوالہذیل علاف نے یزدان بخت کو بالکل ساکت کر دیا، اور میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا،[۲]

مامون نے تمام اضلاع مین مناظرہ کی مجلسین قائم کین اور ہر مذہب و ملت کے آدمیون کو بحث و مناظرہ کی اجازت دی، ان مجالس مین ہر جگہ معتزلی ہی ممتاز نظر آتے تھے اور در حقیقت اس وقت ان کی وجہ سے اسلام بڑے صدمہ سے محفوظ رہگیا، ابوالہذیل علاف کی خوبی تقریر اور زور کلام کی وجہ سے تین ہزار سے زیادہ آدمی اسلام لائے، ابوالہذیل و نظام نے مذہب اعتزال

[۱] کتاب الفہرست ابن الندیم [۲] الملل والنحل لاحمد بن مرتضیٰ ذکر مامون،

ہین چند نئے اصول اضافہ کئے، جن کی تفصیل آگے آئے گی،

مامون کے بعد معتصم اور معتصم کے بعد واثق تخت پر بیٹھا، یہ دونون معتزلی تھے اور ان کی ذ
سے اعتزال کو زیادہ قوت حاصل ہوگی، معتصم اور واثق کے دربار مین قاضی احمد بن ابی داؤد جو قاضی
القضاۃ تھے، تمام سیاہ وسفید کے مالک تھے، یعنی ملک کا کوئی انتظام ان کی مرضی کے خلاف نہین
ہوسکتا تھا، قاضی صاحب معتزلی تھے اور صرف ایک واسطے سے واصل بن عطا کی شاگردی کا شرف
رکھتے تھے، ان کے زمانہ مین اعتزال کو وہ زور حاصل ہوا کہ پہلے کبھی نہین ہوا تھا، واثق کے بعد اگرچہ
متوکل نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہر قسم کی عقلی ترقی روک دی، لیکن تمام اسلامی ممالک مین یہ
مذہب جڑ پکڑ چکا تھا، اور متوکل کے مٹانے سے مٹ نہ سکتا تھا، چنانچہ چوتھی صدی تک اعتزال
کو پوری قوت حاصل رہی اور بڑے بڑے متکلم، مفسر، ادیب پیدا ہوے جن کی تصنیفات اب تک
بڑے پایہ کی خیال کیجاتی ہین سب سے اخیر ابو علی جبائی تھا، جس نے ۳۰۳ھ مین وفات پائی،
اور جس کے بعد اس درجہ کا کوئی امام الاعتزال نہین پیدا ہوا،

اسلامی ممالک مین سے اسپین مین فلسفہ اور عقلیات کو عوام نہایت ناپسند کرتے تھے، یہان تک
کہ اگر کوئی شخص فلسفہ کے نام سے منسوب ہوتا تھا، تو بازار مین اس کا نکلنا مشکل ہوتا تھا، حکیم ابن
رشد اسی جرم مین جلاوطن کیا گیا،

شام مین بھی فلسفہ وعقلیات کو کبھی ترقی نہین ہوئی، اس لحاظ سے ان دونون ملکون مین
اعتزال کا رواج نہ پانا محل تعجب نہین، ہندوستان کا بھی تقریباً یہی حال ہے، کئی سو برس تک یہان
عقلی علوم کا قدم نہین آیا، تیموریون کے زمانہ سے منطق وفلسفہ کی بنیاد پڑی، لیکن اس وقت مذہب
اعتزال خود ناپید ہو چکا تھا، جس کی وجہ آگے آئے گی،

چوتھی صدی کے آغاز مین ابو الحسن اشعری کا نشو ونما ہوا، یہ ابو علی جبائی کے شاگرد تھے، او

مدّت تک معتزلی رہے، ایک دن ایک مسئلہ مین جو اعتزال سے تعلق رکھتا تھا انھون نے جبائی کو بند کردیا، اور پھر اعتزال سے توبہ کرکے سُنّی اور شافعی ہوگئے، فقہا اور محدثین جو فلسفہ اور منطق سے بالکل ناآشنا تھے اور اس وجہ سے معتزلیون سے ہمیشہ جھکتے تھے، ان کو ابوالحسن اشعری نہایت غنیمت معلوم ہوے، انھون نے ان کو نہایت تپاک سے لیا، اور ان کی تصنیفات کو جو زیادہ تر مذہب اعتزال کے رد مین تھین تمام ملک مین پھیلادیا، چونکہ ان تصنیفات مین جابجا قرآن اور حدیث کے حوالے تھے، اس لیے عام لوگون مین ان کا بہت رواج ہوگیا، اور معتزلہ کا زور کم ہونا شروع ہوا، تاہم چوتھی صدی کے اخیر تک کوئی صوبہ بلکہ ضلع اور پرگنہ و شہر معتزلہ کے وجود سے خالی نہ تھا چنانچہ علامہ بشاری نے جسنے چوتھی صدی مین دنیا کا سفر کیا، مقاماتِ ذیل کے متعلق معتزلہ کی نسبت یہ تفصیل لکھی ہے،

عرب، ہروات اور حرمین کے سواحل اور خصوصاً عمان کے تمام باشندے معتزلی ہین،

عراق، معتزلہ یہان بھی ہین لیکن حنبلیون اور شیعون کا غلبہ ہے،

اقور، موضع عانہ مین کثرت سے معتزلی ہین،

مصر، فسطاط مین معتزلہ کا بڑا زور ہے،

خراسان، دیہات مین زعفرانیہ بہت ہین (زعفرانیہ درحقیقت اعتزال کی ایک شاخ ہی)

فارس، معتزلہ اور شیعہ کثرت سے ہین،

کرمان، سیرجان مین اکثر معتزلہ ہین،

خوزستان، اس ملک مین تمام دنیا کی بہ نسبت معتزلی زیادہ ہین،

امام ابوالحسن اشعری نے ۳۳۰ھ مین انتقال کیا، ۳۸۰ھ مین ان کے مذہب نے[1] عراق مین ترقی کرنی شروع کی

[1] مقریزی ج ۲ ص ۳۵۸،

پانچوین صدی مین چند بڑے بڑے نامور علما مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی ابن فورک، ابو اسحاق اسفرائنی، ابو اسحٰق شیرازی، امام غزالی نے اس مذہب کی تائید اور نصرت مین بہت سی کتابین لکھین، اور معتزلہ کی تکفیر اور تفسیق کی، چونکہ اس وقت عباسیون کی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی، اور سلجوقیہ وغیرہ کی وجہ سے مذہبی آزادی بالکل باقی نہین رہی تھی، اشعری مذہب کے رواج کے ساتھ اعتزال کے جبراً مٹانے کی کوشش کی گئی، معتزلیون پر ہر طرح کا ظلم کیا جاتا تھا، اور ان کو اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہین ہوسکتی تھی، محمد بن احمد جو بہت بڑے معتزلی عالم گذرے ہین، اور ۴۷۸ھ مین انتقال کیا پچاس برس تک گھر سے باہر نہین نکل سکے، علامہ زمخشری جن کی تفسیر کشاف گھر گھر پھیلی ہوئی ہے چونکہ معتزلی تھے اپنے ملک مین چین سے رہنے نہین پاتے تھے، مجبوراً مکہ چلے گئے، چنانچہ اپنی تفسیر مین ایک موقع پر اس کا اشارۃً ذکر کیا ہے،

امام غزالی جس زمانہ مین بغداد کے مدرسۂ نظامیہ مین مدرس تھے، محمد بن تومرت، مراکش سے آکر ان کا شاگرد ہوا، اور ان سے اشعری عقائد سیکھے، بغداد سے واپس جاکر اس نے سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور اس کی وفات کے بعد عبد المومن بن علی جو اس کا جانشین ہوا، تمام مغرب و اندلس کا بادشاہ بنگیا، محمد بن تومرت نے اشعری کے عقائد عبد المومن کو حوالہ کردیئے تھے، اس نے اپنی تمام سلطنت مین اسی کو رواج دیا اور حکم دیدیا کہ ان عقیدون کا جو منکر ہو وہ قتل کر دیا جائے چنانچہ سخت خونریزی کے بعد تمام اسپین اور مغرب مین اشعری کے سوا اور کسی فرقہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا،[۱]

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس نے بچپن مین قطب الدین مسعود نیشاپوری سے تعلیم پائی تھی، اور وہ اشعری المذہب تھے، سلطان صلاح الدین کو جب حکومت حاصل

---

[۱] مقریزی ص ۳۵۸،

ہوئی تو اس نے تمام حکومت مین بجبر اشعری عقائد جاری کردیئے[۱]

ساتوین صدی مین مغلون اور ترکون نے بغداد اور بغداد کے ساتھ اور بڑے بڑے شہرون بلکہ مسلمانون کے تمام عقلی اور دماغی قوی کا استیصال کردیا، مدت تک تو یہ تمام ممالک ویران پڑے رہے، ترکون کے مسلمان ہوجانے کے بعد دوبارہ نشوونما شروع ہوا، لیکن وہ عقلی ترقیان پھر عود نہین کرسکتی تھین، ترک قلم کی بہ نسبت تلوار سے زیادہ کام لیتے تھے، اور چونکہ چھٹی صدی کے بعد تمام اسلامی دنیا یعنی ہند، خراسان، فارس، عراق، مصر، شام، ایشیائے کوچک، قسطنطنیہ وغیرہ مین ہر جگہ ترک ہی ترک تھے، اس لیے وہ نازک اور دقیق مذہب جو تلوار کی بہ نسبت قلم سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا، دوبارہ زندہ نہ ہوسکا، مذہب اعتزال کی ابتدا، ترقی اور تنزل کا یہ نہایت اجمالی خاکہ ہے، دوسرے آرٹیکل مین اہم ان کے فرقون کی تفصیل اور ہر ایک کے عقیدے، اور عقائد پر ریویو لکھین گے، تیسرے آرٹیکل مین مشہور علماے اعتزال کے مختصر حالات ہونگے، (مقالات شبلی مطبوعہ لکھنؤ)

---

۱ مقریزی ص ۳۵۰،

ابن رشد[1]

ابوالولید کنیت، حفید لقب، محمد بن احمد بن محمد بن رشد نام ہے، اس کا خاندان اندلس مین نہایت معزز خاندان شمار کیا جاتا تھا، اس کا دادا محمد بن رشد سنہ ۴۵۰ھ مطابق سنہ ۱۰۵۸ء مین پیدا ہوا، علم فقہ مین اس درجہ کمال حاصل کیا کہ قرطبہ (کارڈوا) مین قاضی القضاۃ مقرر ہوا، دور دور سے لوگ اس کے

[1] یہ عجیب بات ہے کہ ابن رشد کے حالات، اسلامی تذکرون اور تاریخون مین بہت کم ملتے ہین، ابن ابی اصیبعہ نے مختصر طور پر اس کا تذکرہ کیا ہے، نفح الطیب مین اس سے بھی زیادہ مختصر ہے، ابن الآبار اندلسی نے بھی اجمال سے کام لیا ہے، یہ تمام کتابین ہمارے پیش نظر ہین، انصاری اور ذہبی کی کتابین ہم نے نہین دیکھین، لیکن ان کی عبارتین معلم رینان نے بعینہ نقل کی ہین، ان مین بھی ایسی تفصیل نہین جو ابن رشد کے شایان تھی، حال مین معلم رینان نے جو فرانس کا نہایت مشہور مصنف گذرا ہے، خاص ابن رشد کے حالات مین ایک ضخیم کتاب فرنچ زبان مین لکھی، جس مین ابن رشد کی سوانحعمری تفصیل سے لکھی رینان کو بڑا موقع یہ حاصل تھا کہ ابن رشد کے یہودی شاگردون نے جو کچھ ابن رشد کے متعلق لکھا تھا، وہ اس کے پیش نظر تھا، رینان نے ابن رشد کے فلسفہ پر بھی نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، جس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت چار سو صفحون سے متجاوز ہو گئی ہے، بیروت کے ایک عیسائی مورخ نے اپنی کتاب آثار الادہار مین اس کی مدد سے ابن رشد کا کسی قدر مفصل تذکرہ لکھا ہے پروفیسر انطون نے ابن رشد کے حالات مین ایک مستقل کتاب عربی زبان مین لکھی، جو حال مین اسکندریہ سے شائع ہوئی ہے، لیکن اسکی اصلی غرض، ایک مسلمان عالم (شیخ محمد عبدہ) سے مجادلہ کرنا تھا، چنانچہ اصل مقصد کو چھوڑ کر ساری کتاب، مجادلہ اور مشاتمہ سے بھر دی ہے، اردو زبان مین بھی ابن رشد کے متعلق دو ایک مضمون لکھے گئے جن مین سے نواب عماد الملک کا مضمون گو مختصر ہے، لیکن چونکہ رینان سے ماخوذ ہے، قابل استناد ہے،

پاس فقہی مسائل کے حل کرنے کے لئے آتے تھے، ابن فران نے جو قرطبہ کی مسجد جامع، کا امام تھا، اس کے فتاوی کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس کا ایک نسخہ اسپین کی ایک خانقاہ سان فیکتوریین تھا، اور اب پیرس کے کتب خانہ مین ہے، شاہی دربار مین اس کو بڑا تقرب حاصل تھا اور اکثر وہ ملکی معاملات مین دخیل ہوتا تھا، اس زمانہ مین مسلمانون کا حریف مقابل الفونس تھا، جو اکثر اندلس پر حملہ آور ہوا کرتا تھا اور چونکہ خود اندلس کے عیسائی اس کی اعانت کرتے تھے اکثر کامیاب ہوتا تھا، محمد بن رشد نے خاص اس غرض سے سنہ ۱۱۲۶ء مین مراکش (مراکو) کا سفر کیا، اور سلطان مراکش سے درخواست کی کہ عیسائیون کو اندلس سے جلاوطن کرکے افریقہ مین آباد کرا دیا جائے، سلطان نے اس صلاح کو نہایت پسند کیا، اور اس کے حکم سے ہزارون عیسائی، اندلس سے نکل کر طرابلس غرب مین جا کر آباد ہوئے، محمد بن رشد نے سنہ ۵۲۰ھ مطابق سنہ ۱۱۲۶ء مین وفات پائی

محمد بن رشد کے فرزند احمد نے جو سنہ ۱۰۹۴ء مین پیدا ہوا تھا اپنی ذاتی قابلیت سے اپنے باپ کی جگہ حاصل کی یعنی قرطبہ کا قاضی مقرر ہوا، سنہ ۱۱۶۸ء مین وفات پائی، اور اپنی یادگار ایک ایسا نامور فرزند چھوڑا جس کی تصنیفات آج اسلام کی سب سے بڑی علمی یادگار ہین،

ابن رشد سنہ ۵۲۰ھ مطابق سنہ ۱۱۲۶ء مین اپنے دادا کی وفات سے ایک مہینہ پہلے بمقام قرطبہ پیدا ہوا، علم چونکہ خاندانی تھا، اس لئے خود اپنے والد سے علوم کی تحصیل شروع کی، موطا جو حدیث کی مشہور کتاب ہے، اس کا راوی اول یحیی مصمودی، اسپین ہی کا رہنے والا تھا، اور اس وجہ سے موطا کو ان ممالک مین اس درجہ قبول حاصل تھا کہ قرآن کے بعد شمار کیجاتی تھی، ابن رشد کی تعلیم اول اسی سے شروع ہوئی، وہ موطا کو زبانی یاد کرتا تھا، اور اپنے باپ کو سناتا تھا،

حافظ ابو القاسم بن بشکوال، ابو مروان بن مسرۃ، ابوبکر بن سمحون، ابو جعفر بن عبد العزیز اور ابو عبد اللہ مازری سے بھی حدیث کی تحصیل کی، علم فقہ حافظ ابو محمد بن رزق سے حاصل کیا، ادب اور

عروبیت، اندلس کے نصاب تعلیم کا لازمی جزو تھا، اس لیے نہایت محنت اور شوق سے اس کی تحصیل کی،

ابوالقاسم بن طلیسان کا بیان ہے کہ ابو تمام اور متنبی کا دیوان اس کو زبانی یاد تھا، اور اکثر صحبتون مین ان کے اشعار وہ ضرب المثل کے طور پر برجستہ پڑھتا تھا،

ان علوم کی تکمیل کے بعد اس نے طب کی طرف توجہ کی، اس زمانہ مین فن کا امام ابو جعفر ابن ہارون ترجالی تھا، وہ اشبیلیہ کا رہنے والا تھا، اور وہان کے اعیان مین گنا جاتا تھا، ابوبکر بن عربی جو امام غزالی کے شاگرد تھے، ان سے حدیث کی تحصیل کی تھی، طب مین نہایت کمال حاصل کیا تھا، ارسطو اور دیگر حکماے متقدمین کی تصنیفات کا بڑا ماہر تھا، علوم نظریہ کے ساتھ معالجہ مین بھی کمال رکھتا تھا، اور اس تعلق سے سلطان وقت یعنی یوسف بن عبد العزیز کے دربار کا ملازم تھا،

ابن رشد نے ابو جعفر کی خدمت مین ایک مدت تک طب کی تحصیل کی، طب کے سوا اور علوم بھی اس سے حاصل کیے جس کی تفصیل آگے آئیگی،

اسپین کی علمی حالت اور ابن رشد کی فلسفیانہ تعلیم

عرب مورخ متفق اللفظ ہین کہ اندلس مین فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا عام طور پر ناممکن تھا، اگر یہ صحیح ہے تو ابن رشد، ابن طفیل، ابن باجہ، جیسے حکما، کا اس ملک مین پیدا ہونا اسباب تاریخی کے خلاف ہے، اس لیے پہلے ہم اس عقدہ کو حل کرنا چاہتے ہین،

حقیقت یہ ہے کہ اسپین مین مسلمانون کی علمی زندگی، ممالک مشرقیہ کی نسبت بالکل جداگانہ حالت رکھتی ہے، ممالک مشرقیہ مین علم وفن کی ابتدا، دولت عباسیہ سے ہوئی جس کا صدر مقام بغداد تھا، عباسی حکومت کا مایۂ خمیر، پارسی اور عیسائی قومین تھین، اور اس وقت تک ان کا ہر قسم کا لٹریچر زندہ موجود تھا، ان کی آمیزش سے اسلامی علوم وفنون مین ابتدا ہی سے فلسفہ کا

رنگ آگیا، اور گو ایک مدت تک فقہا و محدثین، بہت کچھ دامن بچاتے رہے، لیکن آخر مذہب و فلسفہ اس طرح شیر و شکر بن گئے کہ آج عقائد کو فلسفہ سے جدا کرنا، ناخن کو گوشت سے جدا کرنا ہے، لیکن اسپین کی حالت اس کے بالکل برخلاف تھی، اسپین مین اسلامی حکومت کی ترکیب بالکل خالص اور بے میل تھی، یعنی عرب کے سوا کسی دوسری قوم کا شائبہ نہ تھا، عرب کے قبائل اس کثرت سے وہان جاکر آباد ہوگئے تھے کہ اسپین حجاز و نجد کا ایک ٹکڑا بن گیا تھا، مفتوحہ قومون کا کوئی علمی لٹریچر موجود نہ تھا، اور تھا تو اس قدر کمزور حالت مین تھا کہ فاتح لٹریچر پر کچھ اثر نہین ڈال سکتا تھا، مذاہب مین سو جس مذہب کا یہان رواج ہوا وہ مالکی مذہب تھا، جو عرب کے دل و دماغ کا آئینہ تھا، ان اسباب سے ملک کی آب و ہوا مین عربیت، عربیت مین مذہب، اور مذہب مین تصلب اور تقشف کا اثر آگیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کسی کو فلسفہ و منطق مین مشغول دیکھتے تھے، تو زندیق کا خطاب دیتے تھے، اور اگر اس کی زبان سے کوئی آزادانہ فقرہ نکل جاتا تھا، تو بغیر اس کے کہ حکومت سے چارۂ کار کے مستدعی ہون، خود اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیتے تھے، علامۂ مقری، نفح الطیب مین لکھتے ہین،

کما قیل فلان یقرء الفلسفة اطلقت علیه العامة اسم زندیق فان زل فی شبهة رجموه بالحجارة وحرقوه قبل ان یصل امره الی السلطان

جب یہ کہا جاتا تھا کہ فلان شخص فلسفہ پڑھتا ہے، تو عوام اس کو زندیق کہنے لگتے تھے، اور اگر اس نے کسی شبہہ مین لغزش کھائی تو قبل اس کے کہ بادشاہ کو اس کی خبر پہنچے، اس کو پتھر مارتے تھے، یا آگ مین جلا دیتے تھے،

باایں ہمہ چونکہ مشرقی ممالک سے علمی تعلقات قائم تھے، یعنی تحصیلِ علوم کے لیے اسپین سے لوگ مشرق کو آتے جاتے رہتے تھے اور یہان کے اہل کمال، قدردانی کی امید پر مغرب کا سفر کیا کرتے تھے، اسپین اور مراکش مین بھی کبھی کبھی فلسفہ کا جلوہ نظر آجاتا تھا، سب سے پہلے ان اطراف مین اس فتنہ کا پتہ تیسری صدی ہجری سے چلتا ہے، اسحاق بن عمران بغداد کا ایک مشہور

طبیب تھا، وہ زیادۃ اللہ بن تغلب کے زمانہ مین افریقہ گیا، اور وہین سکونت اختیار کر لی، علامہ ابن ابی اصیبعہ اس کے حال مین لکھتے ہین کہ "یہ پہلا شخص ہے، جس کی بدولت بلادِ مغرب مین لوگون نے فلسفہ کو جانا"

اسحٰق کے شاگرد ابن سلیمان نے ان فنون مین زیادہ کمال حاصل کیا، اور الٰہیات مین ایک کتاب لکھی، جس کا نام بستان الحکمۃ تھا، منطق مین بھی اس کی ایک تصنیف مدخل کے نام سے موجود ہے،

لیکن ابھی تک یہ فتنہ باہر ہی باہر تھا، یعنی خاص اسپین کی حدود، اس آشوب سے پاک تھی، یہان تک کہ خلیفہ الحکم المستنصر لدین اللہ کا زمانہ آیا، جس نے اندلس کو تمام دنیا کے علوم و فنون سے معمور کر دیا، وہ ۳۵۰ھ مین تخت نشین ہوا، اور اس اہتمام سے علوم و فنون کی تربیت پر توجہ کی کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کا نام بھی ماند پڑ گیا، بلادِ مشرقیہ مین ہر ہر جگہ سفیر اور وکیل مقرر کیے کہ جس قدر نایاب کتابین جہان سے مل سکین کتبخانہ شاہی کو روانہ کیجائین، دولتِ عباسیہ کا ہنوز علمی شباب تھا، تاہم خلیفہ حکم کی رقیبانہ حوصلہ مندیون کا مقابلہ نہ ہو سکا، اس کی یہ خاص کوشش تھی کہ جو نادر تصنیف ممالکِ مشرقیہ مین لکھی جائے، بغداد سے پہلے اسپین پہنچ جائے، چنانچہ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ علامہ ابو الفرج اصفہانی کتاب الاغانی لکھ رہا ہے، تو حکم کے قاصدون نے کتاب کے تمام ہونے سے پہلے ایک ہزار اشرفیان مصنف کی خدمت مین پیش کین کہ کتاب کا پہلا نسخہ جو تیار ہو وہ کتب خانہ شاہی کے لیے محفوظ رکھا جائے، اسپین کا خراج اس زمانہ مین پانچ کرور سے زائد تھا، باوجود اس کے حکم کے علمی شوق کے لیے کافی نہ تھا، صاحب نفح الطیب لکھتے ہین،

کان یستجلب المصنفات من الاقالیم	وہ تمام ممالک اور اطراف سے کتابین بہم پہنچاتا تھا
والنواحی حتی ضاقت عنہا خزائنہ	یہانتک کہ خزانہ شاہی ان مصارف کی برداشت نہ کرسکا

حکم نے جو کتب خانہ جمع کیا تھا اس کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف دواوین کی تعداد اس قدر تھی کہ فہرست کے ۸۰ صفحے صرف ان کے نامون کے نذر ہوئے، کل کتابون کی

مجموعی تعداد علامہ مقری نے چار لاکھ بیان کی ہے، اس تعداد کی وقعت اسوقت اور زیادہ ہو جاتی ہے، جب یہ خیال کیا جائے کہ یہ مجموعہ ہر قسم کے رطب ویابس کا انبار نہ تھا، بلکہ زیادہ تر منتخب اور نادرۂ روزگار کتابیں تھیں، کیونکہ حکم خود نہایت بڑا مبصر اور ناقدِ فن تھا، مورخین کا بیان ہے کہ شاذ ونادر ہی کوئی کتاب تھی جو حکم کے مطالعہ میں نہ آئی ہو، یا جس پر حکم نے مصنفِ کتاب کا نسب اور سالِ وفات نہ لکھا ہو، اس کے علاوہ اکثر کتابوں پر اس کے لکھے ہوئے ایسے مفید اور نادر علمی فوائد ہوتے تھے، جو حکم کے سوا اور کسی کے قلم سے نکل نہیں سکتے تھے[۱]،

اس کتب خانہ میں فلسفہ کی اکثر تصنیفات ممالکِ مشرقیہ سے منگوا کر جمع کی گئی تھیں، اور یہ کتابیں فلسفہ کی ترویج کا بڑا سبب ہوئیں[۲]،

حکم کے بعد اس کا جانشین ہشام اگرچہ فلسفہ کا دشمن نکلا، اور اس کے بعد ایک مدت تک کسی نے فلسفہ کی سرپرستی نہ کی، لیکن حکم نے فلسفہ دانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کر دیا تھا جسکا سلسلہ اخیر زمانہ تک برابر قائم رہا، احمد اور عمر دو حقیقی بھائی ۳۳۰ھ میں تحصیل علم کے لیے بغداد گئے، اور ۳۵۱ھ میں یعنی حکم کے تخت نشینی کے ایک برس بعد وہاں سے واپس آئے، حکم نے دونوں کو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا، ایک اور مشہور فاضل محمد بن عبدون الجیلی نے بھی اس غرض سے ۳۴۷ھ میں ممالکِ مشرقیہ کا سفر کیا، اور ابو سلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سیستانی سے جو اس زمانہ کا سب سے بڑا منطق دان تھا، منطق کی تحصیل کی، وہ ۳۶۱ھ میں اندلس کو واپس آیا، اور حکم نے اس کو طبابت کی خدمت دی، حکم کے دربار میں اور بہت سے فلسفہ دان تھے، جنمیں سے احمد بن حکم بن حفصون اور ابو بکر احمد بن جابر خاص شہرت رکھتے تھے، ان لوگون نے خود اور بواسطہ و بے واسطہ ان کے شاگردون نے

---

[۱] یہ حالات نفح الطیب اور پروفیسر رینان کی کتاب سوانح عمری ابن رشد میں تفصیل سے مذکور ہیں،

[۲] ابن ابی اصیبعہ ترجمہ ابو عبداللہ الکتانی،

فلسفہ دانون کا ایک مستقل خاندان قائم کر دیا، یہان تک کہ ابو عبد اللہ بن الکتانی نے سنہ ۴۲۰ھ مین انتقال کیا، اس نے جب منطق کی تکمیل کرنی چاہی تو محمد بن عبدون جیلی کے علاوہ فلسفہ دانون کی ایک جماعت کثیر مثلاً عمر بن یونس، احمد بن حکم، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم القاضی، ابو عبد اللہ محمد بن مسعود، محمد بن میمون، القاسم فید بن نجم، سعید بن فتحون، ابو الحارث اسقف، ابو مرین بجائی موجود تھے، اور ابو عبد اللہ نے ان سب کی شاگردی کا فخر حاصل کیا،

ایک خاص واقعہ جو اس سلسلہ مین لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ حکم نے مسلمانون کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی بھی سرپرستی کی، اُس نے اکثر علماے یہود و نصاری کو دربار مین جگہ دی اور ان کو اس رتبہ تک پہنچایا کہ وہ اپنے مذہبی علوم مین بغداد کے دست نگر نہ رہے،

ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ حکم کے زمانہ تک اسپین کے یہودی اپنے مذہبی رسوم اور مسائل فقہیہ مین بغداد کے یہود کے محتاج تھے، اور وہین سے فتوی منگواتے تھے، لیکن جب خلیفہ حکم نے حسدای بن اسحاق کو جو ایک نامور یہودی عالم تھا، دربار مین داخل کیا، اور دولت و مال سے مالامال کر دیا، تو اس نے مشرقی ممالک سے زر خطیر صرف کر کے تمام مذہبی تاریخین منگوائین، اور اس وقت سے اسپین کے یہود بغداد سے بے نیاز ہو گئے[1]

حکم کے طرز عمل نے تعلیم کے دائرہ کو نہایت وسیع کر دیا، یعنی مسلمان، یہود، نصاریٰ سب مین فلسفہ و معقولات کی تعلیم پھیل گئی، ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان فرقون مین باہم علمی تعلقات قائم ہو گئے، یہود و نصاریٰ پہلے بھی مسلمانون کی شاگردی سے عار نہ رکھتے تھے، لیکن اب مسلمانون کو بھی غیر مذہب والون کی شاگردی سے عار نہ رہا،

بہت سے نامور علماے اسلام کے حالات مین تم پڑھو گے کہ وہ طب اور فلسفہ مین عیسائی

---

[1] طبقات الاطبا ترجمہ حسدای بن اسحق،

علما کے شاگرد تھے، ان باتون سے وسعتِ علمی کے علاوہ بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فلسفہ کو ایک محفوظ جائے پناہ مل گئی، کیونکہ فلسفہ کی تعلیم و تعلم پر جو برہمی ظاہر ہوتی تھی وہ مسلمانون تک محدود تھی، عیسائیون اور یہودیون سے کوئی تعرض نہ کرسکتا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حَکَم کے بعد جب فلسفہ کا کوئی سرپرست نہ رہا، اور فلسفہ کی آزادانہ تعلیم بند ہوگئی تو اس کا اثر یہود اور نصاریٰ پر نہ پڑ سکا، اور وہ بدستور فلسفہ کی تعلیم و تعلم مین مصروف رہے، کیونکہ غیر مذہب والون کو، اسلامی حکومتون مین ہمیشہ ہر قسم کی آزادی حاصل رہی، اس لیے وہ جو کچھ چاہتے تھے پڑھتے پڑھاتے تھے، ان سے کوئی تعرض نہین کرسکتا تھا،

حَکَم کے بعد کئی صدیون تک، فلسفہ شاہانہ عنایت سے محروم رہا، یہان تک کہ موحدین کی سلطنت قائم ہوئی، یہ سلطنت محمد بن تومرت نے قائم کی تھی، جو امام غزالی کا شاگرد تھا، اور بڑا عالم تھا، اس وقت تک اسپین کا شاہی مذہب، فقہ مین مالکی، اور عقائد مین حنبلی یا مجسمی تھا، موحدین کی سلطنت جب قائم ہوئی تو چونکہ بانیِ سلطنت اشعری تھا، سلطنت کا مذہب بھی اشعری قرار دیا گیا، اشعری مذہب مین امام غزالی کی وجہ سے معقولات کا کسی قدر رنگ آگیا تھا، اس لیے فلسفہ کے ساتھ وہ تعصب نہ رہا، عبد المومن نے جو اس سلسلہ کا سب سے پہلا بادشاہ تھا، علوم و فنون پر شاہانہ حوصلہ سے توجہ کی، اور عبد الملک بن زہر کو جو اس زمانہ کا بہت بڑا عالم تھا، اپنے خاص مقربین مین داخل کیا، عبد المومن کے بعد اس کے جانشین یوسف بن عبد المومن نے ۵۵۸ھ مین تخت نشین ہوا، حکم اور مامون الرشید کا زمانہ یاد دلادیا، وہ خود بہت بڑا عالم تھا، علوم عربیہ مین کوئی شخص اس کا ہمسر نہ تھا، صحیح بخاری زبانی یاد تھی، فقہ مین بھی اچھی مہارت رکھتا تھا، ان علوم سے فارغ ہو کر اس نے فلسفہ پر توجہ کی، فلسفہ کی تصنیفات دور دور سے منگوائین، اور ابن طفیل کو جو فلسفہ مین بوعلی سینا کا ہمسر تھا، ندیم خاص مقرر کرکے اس خدمت پر مامور کیا کہ تمام اطراف و دیار سے علما اور اہل فن طلب کیے جائین، اور ان کو علمی خدمتین دی جائین، ابن طفیل نے جو ائمۂ فن جمع کیے ان مین ایک امام ابو

ابن رشد بھی تھا،[۱]

ان واقعات سے تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ ابن رشد نے جس زمانہ مین نشوونما پایا، ملک مین فلسفیانہ مذاق کا آغاز ہو چکا تھا،

اس کے علاوہ اور متعدد اسباب تھے، جن کی وجہ سے اس کو فلسفہ کی طرف رغبت ہوئی، اس نے جن اساتذہ سے فقہ اور طب کی تعلیم پائی تھی، ان مین سے اکثر فلسفہ سے آشنا تھے، ابوجعفر بن ہارون جس کی خدمت سے اس نے مدتون استفادہ کیا علوم عقلیہ کا بہت بڑا ماہر تھا، ابوبکر بن عربی جو علم فقہ مین اس کے استاد اور امام غزالی کے شاگرد تھے، علم کلام کے تعلق کی وجہ سے فلسفہ سے آشنا تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ابن رشد کو ابتداے تحصیل ہی مین فلسفہ کا شوق پیدا ہوگیا تھا، ابن ابی اصیبعہ نے ابن باجہ کے حال مین لکھا ہے کہ ابن رشد نے اس کی شاگردی کی ہے، ابن باجہ نے ۵۳۳ھ مین وفات پائی، ابن رشد ۵۲۰ھ مین پیدا ہوا تھا، اس بنا پر ابن باجہ کی وفات کے وقت ابن رشد کی عمر صرف ۱۳ برس کی تھی،

ابن رشد کے شیوخ فلسفہ مین سے ابن باجہ کے حالات خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہین، کیونکہ اس سے ابن رشد کی علمی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے،

ابن باجہ کا نام محمد بن یحییٰ بن باجہ ہے وہ سرقسطہ (سرگوشہ) مین پیدا ہوا، اور یہین اسکی تعلیم و تربیت ہوئی، آغاز شباب ہی مین اس کے فضل و کمال کی یہ شہرت ہوئی کہ ابوبکر بن ابراہیم صحراوی رئیس سرقسطہ نے اس کو اپنا وزیر مقرر کیا، لیکن ابن باجہ کی شہرت جس قدر فلسفیانہ مذاق مین بڑھتی جاتی تھی اسی قدر عوام اس کی طرف سے بدظن ہوتے جاتے تھے، اس زمانہ مین امراے بنو ہود اس وصف مین مشہور تھے کہ وہ حکما، اور فلاسفہ کی قدردانی کو عوام کی رضامندی پر مقدم رکھتے تھے، ابوبکر کو امراے

---

[۱] دیکھو ابن خلکان ذکر یوسف بن عبدالمومن،

بنوہود سے ہمسری کا دعویٰ تھا، اس لئے اس نے بھی چند روز تک عوام کی پروانہ کی، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اہل فوج تک برہم ہوگئے، اور ایک جماعت کثیر ترکِ ملازمت کرکے چلی گئی، مجبوراً ابن باجہ کو یہ دربار چھوڑنا پڑا، اور مراکش جاکر ملثمین کے دربار مین ملازمت اختیار کی، یہان اسکی بہت قدر ہوئی، لیکن موت نے جلدی کی اور ۵۳۳ھ مین انتقال کرگیا، آثار الادبار مین امیر رکن الدین بیبرس کی کتاب زبدة الفکرة فی تاریخ الہجرة سے نقل کیا ہے کہ لوگون نے حسد سے اس کو زہر دیدیا، یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ عوام اس کی جان کے دشمن ہوگئے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہین کہ

بلی بمحن کثیرة وشناعات من العوام | اسکو بہت سی مصیبتین پیش آئین اور عوام اسکو برا بھلا کہتے
قصدوا اہلاکہ مرات، | تھے، اور چند بار لوگون نے اس کے مار ڈالنے کا قصد کیا،

ابن باجہ کو علوم عقلیہ مین جو کمال حاصل تھا، اس کے لحاظ سے وہ اندلس کا ارسطو کہا جاسکتا ہے، ممالکِ مشرقیہ مین بھی، فارابی اور یعقوب کندی کے سوا کوئی اس کا ہم پایہ نہین پیدا ہوا، علوم وفنون کو اس نے جو ترقی دی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہین، لیکن اس کو اجمالاً ان عنوانون مین بیان کیا جاسکتا ہے،

۱۔ ارسطو کی تصنیفات کی شرحین لکھین،

۲۔ فلسفہ کی شاخون پر مستقل کتابین لکھین جنہین اپنی ذاتی تحقیقات درج کین (ان تصنیفات کا ذکر تفصیل کے ساتھ طبقات الاطبا مین موجود ہے)

۳۔ امام غزالی کے برخلاف یہ ثابت کیا کہ علوم نظریہ، ادراک حقائق کے لئے کافی ہین، علوم کشفیہ کی ضرورت نہین،

۴۔ موسیقی پر نہایت محققانہ کتاب لکھی، اور بہت سے راگ خود ایجاد کئے،

ابن باجہ نے جس کام کو شروع کیا ابن رشد نے اس کو انجام تک پہنچا دیا، اور یہ بالکل قرین

قیاس ہے کہ شاگرد نے استاد ہی کی رہنمائی سے اس پُرخطر وادی مین قدم رکھا، اور یہ منزل طے کی۔[1]

اس موقع پر یہ واقعہ افسوس کے ساتھ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ ابن باجہ کی تصنیفات سے اسلامی کتب خانے بالکل خالی ہین، البتہ یورپ مین کچھ کچھ پتہ چلتا ہے، منطق مین اُسنے جو رسالے لکھے تھے وہ اسپین کے کتبخانہ اسکوریال مین محفوظ ہین، ایک رسالہ جس کا نام الوداع ہے، اس کا ترجمہ جو یہودیون نے عبرانی زبان مین کیا تھا، فرانس کی پبلک لائبریری مین موجود ہے، حیوٰۃ المعتزل اس کی مشہور کتاب خوونا پید ہے، لیکن موسیٰ یہودی نے شرح رسالہ حی ابن یقظان مین اُس سے اکثر فوائد نقل کئے ہین،

عہدۂ قضا اور دربار کے تعلقات

اوپر گذر چکا ہے کہ ابن رشد کا دادا، قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھا، اس تعلق سے ابن رشد کو آغاز شباب ہی مین قضا کی خدمت ملگئی، وہ پہلے اشبیلیہ کا قاضی مقرر ہوا، پھر ابو محمد ابن مغیث قاضیِ قرطبہ کے مرنے پر، قرطبہ (کارڈووا)، کے قضا کی خدمت ملی، اس خدمت کو جس خوبی سے اس نے انجام دیا، اس کی شہرت نے اس کو دربار شاہی تک پہنچادیا،

یہ موحدین کی سلطنت کا زمانہ تھا، اور اس سلسلہ کا پہلا فرمانروا عبد المومن سریر آراے سلطنت[2]

---

[1] ابن باجہ کا حال ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے، لیکن نہایت مختصر ہے، اشارۃ الاوہا مین تفصیل کی ہے، لیکن اسکا ماخذ مشرقی کتابین نہین بلکہ یورپ کی تصنیفات ہین، نفح الطیب مین اس قدر لکھا ہے کہ وہ فن موسیقی مین ابو نصر فارابی کا ہمسر ہے اور اسپین مین جو راگ مشہور ہین، اسی کی ایجاد ہین

[2] ابن خلکان کی روایت کے موافق عبد المومن نے سنہ ۵۴۱ھ مین مراکش پر قبضہ کیا، اور سنہ ۵۴۲ھ مین ملثمین کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا، اس لیے عبد المومن کی سلطنت کا آغاز سنہ ۵۴۲ھ سے سمجھنا چاہیے،

تھا، عبدالمومن خود ایک فاضل شخص تھا، محمد بن تومرت کے فیضِ صحبت سے جو امام غزالی کا شاگرد تھا، اس کا فضل و کمال اور زیادہ ترقی کر گیا تھا، ابن رشد کی دیانت اور کمالاتِ علمی کا حال جب اس کو معلوم ہوا، تو دربار میں بلا کر اپنے خاص ندیموں میں شامل کیا، اور قضا کی خدمت بھی بحال رہنے دی، ۵۶۵ھ میں جبکہ اس کی عمر ۴۲ برس کی تھی، وہ قاضی القضاۃ مقرر ہوا، یعنی اندلس سے لیکر مراکو تک کے کل علاقے اس کی قضا کے حدود میں آگئے، وہ ان تمام مقامات کا دورہ کرتا رہتا تھا، اور دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا تھا، وہ اپنی تصنیفات میں اکثر بقید سال و تاریخ ان واقعات کا ذکر کرتا ہے، جو زمانہ تصنیف میں پیش آئے، ان واقعات کے ترتیب دینے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس کس سنہ میں وہ کہاں کہاں تھا، عبدالمومن نے ۵۵۶ھ میں قضا کی، اور اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا، یوسف بہت بڑا فاضل اور بلند حوصلہ بادشاہ تھا، عبدالمومن نے اس کی تربیت میں تیغ و قلم، دونوں کے اہل کمال کا اہتمام کیا تھا، جو لوگ تیغ و قلم کے فن میں یکتائے زمانہ تھے، اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کئے گئے،[1] ان اسی کا اثر تھا کہ یوسف دونوں میدانوں میں اپنے حریفوں سے آگے نظر آتا ہے، اس زمانہ میں عیسائیوں نے ٹالیڈو (طلیطلہ) کو دار السلطنت قرار دے کر اسپین کے اکثر اضلاع مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لئے تھے، یوسف نے اپنے زور بازو سے اکثر اضلاع واپس لئے، لیکن اس مضمون میں ان واقعات کی تفصیل کا موقع نہیں، یہاں صرف اس کے علمی حالات بیان کئے جاسکتے ہیں

وہ اگرچہ اکثر علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا، لیکن فلسفہ اور عقلیات کی طرف خاص میلان تھا، اسی بنا پر اس نے ابن طفیل کو جو علوم عقلیہ میں ابن سینا کا ہم پایہ تھا، ندیم خاص اور صیغہ علمی کا افسر مقرر کیا، ابن طفیل نے اس کے حکم کے مطابق، دور دور سے ہر فن کے حکما اور فضلا دربار میں طلب کئے، ان میں ایک ہمارا نامور ابن رشد بھی تھا،[2]

[1] ابن خلکان تذکرہ یوسف بن عبدالمومن [2] ایضاً

ابن رشد جس کیفیت کے ساتھ دربار میں داخل ہوا ہے، اس کی کیفیت اُس نے خود بیان کی ہے، وہ کہتا ہے[1] کہ

"جب میں دربار میں داخل ہوا تو ابن طفیل بھی حاضر تھا، اس نے امیرالمومنین یوسف کے حضور میں مجھ کو پیش کیا، اور میرے خاندانی اعزاز اور میری ذاتی لیاقت کو نہایت آب و تاب سے بیان کیا، یوسف میری طرف مخاطب ہوا، پہلے میرا نام و نسب پوچھا، پھر کہا کہ حکمائے عالم کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟ یعنی اُن کے نزدیک عالم قدیم ہے یا حادث؟ یہ سوال سنکر میں ڈر گیا، اور چاہا کہ بلطائف الحیل اس سوال کو ٹال جاؤں، چنانچہ میں نے کہا کہ میں فلسفہ سے واقف نہیں، یوسف مجھ کو بدحواس دیکھ کر ابن طفیل کی طرف متوجہ ہوا، اور اس مسئلہ پر بحث کرنی شروع کی، ارسطو اور افلاطون اور دیگر حکما نے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق لکھا ہے، بہ تفصیل بیان کیا، پھر متکلمین اسلام نے حکما کی رائے پر جو اعتراضات کئے ہیں، ایک ایک کرکے بیان کئے، یہ حالت دیکھ کر میرا خوف جاتا رہا، لیکن مجھ کو سخت تعجب ہوا کہ ایک بادشاہ علوم عقلیہ میں یہ دستگاہ رکھتا ہے، جو طبقہ علما میں بھی شاذونادر کسی کو حاصل ہوتی ہو، تقریر سے فارغ ہوکر اس نے پھر میری طرف توجہ کی، اب میں نے آزادی کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کئے، جب دربار سے رخصت ہوا تو مجھ کو خلعت، زرنقد، اور سواری کا گھوڑا عنایت کیا"۔

فلسفہ کے سلسلہ میں ابن رشد کا جو بڑا کارنامہ ہے وہ تصنیفاتِ ارسطو کی شرح ہے، اس کارنامہ کا اصلی باعث یوسف تھا، خود ابن رشد کا بیان ہے کہ ایک دن ابن طفیل نے مجھ کو بلا بھیجا، اور کہا کہ آج امیرالمومنین (یوسف) اس بات پر افسوس کرتے تھے، کہ ارسطو کا فلسفہ نہایت دقیق ہے، اور مترجموں نے ترجمہ اچھا نہیں کیا، کاش کوئی قابل شخص اس کام پر آمادہ ہوتا، اور فلسفۂ ارسطو کو اس طرح آسان کرکے ادا کرتا کہ لوگ آسانی سے اس کو سمجھ سکتے، یہ کہہ کر ابن طفیل نے ابن رشد سے

[1] پروفیسر رینان کی کتاب تذکرۂ ابن رشد۔

کہا کہ میری تو اب عمر نہین رہی، اس کے علاوہ امیر المومنین کی خدمت سے فرصت نہین ہوتی، تم ان کو اٹھا لو اور تم ہی اس کام کو انجام بھی دے سکتے ہو، ابن رشد کا بیان ہے کہ اسی دن سے مین نے اس کام کی ابتدا کی،

یوسف نے ۵۸۰ھ مین وفات کی، اور اس کا بیٹا یعقوب منصور تخت نشین ہوا، وہ نہایت اولوالعزم بادشاہ تھا، موحدین کی سلطنت اس کے زمانہ مین انتہاے کمال کو پہنچ گئی، اس کی وسعت فتوحات اور جاہ و جلال کی داستان گو نہایت دلچسپ ہو، لیکن اس کا یہ محل نہین، علمی مرحلہ مین اس نے جو کام کئے ان مین سے ایک یہ ہے کہ فقہا کو حکم دیا کہ کسی مجتہد یا امام کی تقلید نہ کرین، بلکہ خود اپنے اجتہاد سے کام لین، عدالتون مین فقہ کی پابندی اٹھا دی، چنانچہ جو فیصلہ کیا جاتا تھا، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے کیا جاتا تھا، ابن خلکان نے منصور کے حالات مین جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہو لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ مین مغرب سے جو علمائے مثلاً ابو الخطاب بن دحیہ، ابو عمرو، محی الدین عربی وغیرہ سب کا یہی طریقہ تھا یعنی کسی کی تقلید نہین کرتے تھے، منصور نے جیسا کہ اس کی علم پروری کے لحاظ سے توقع کیجا سکتی ہے، ابن رشد کی نہایت قدردانی کی، ۵۹۱ھ مین جب وہ الفانس کے مقابلہ کے لئے جا رہا تھا، ابن رشد کو دعوت ملاقات کے لئے دربار مین طلب کیا، اور اس قدر تعظیم و تکریم کی کہ تمام دربار کو حیرت ہوئی، ارکان سلطنت مین سب سے زیادہ تقرب عبد الواحد کو حاصل تھا، جو منصور کا داماد اور ندیم خاص تھا، دربار کی ترتیب مین اس کا تیسرا نمبر تھا، لیکن ابن رشد اس سے بھی آگے بڑھا، یعنی منصور نے اس کو بلا کر خاص اپنے پہلو مین جگہ دی، اور دیر تک باتین کرتا رہا، ابن رشد جب دربار سے واپس آیا تو دوستون نے بڑے جوش و خروش سے اس کو مبارکباد دی، لیکن انجام بین حکیم نے بجائے اس کے کہ مسرت کا اظہار کرتا، افسوس ظاہر کیا، اور کہا کہ یہ خوشی کا نہین بلکہ رنج کا موقع ہو، کیونکہ دفعۃً اس درجہ کا تقرب "برے نتائج پیدا کرے گا" اور افسوس! ایسا ہی ہوا،

ابن رشد کی تباہی

سلاطینِ اسلام مین منصور اور اس کا ہمعصر سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس اپنے زمانہ مین اسلام کے مایۂ ناز تھے، اتفاق سے ان دونون کو اہل کمال بھی ایسے ہاتھ آے تھے، جن پر آج تک اسلام کو ناز ہے، یعنی ابن رشد اور شیخ الاشراق، لیکن زمانہ کی نیرنگیان دیکھو! وہی صلاح الدین جس کا دامنِ انصاف ہر قسم کے داغ سے پاک ہے، شیخ الاشراق کا قاتل ہے!! اور وہی منصور جو عدل وانصاف کا پیکر مجسم تھا، ابن رشد کا برباد کنندہ ہے،

ابن رشد کی تباہی وبربادی چونکہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے، اس لئے مورخین نے اس کے اسباب کی تحقیق مین بہت جد وجہد کی ہے، اور مختلف مورخون نے مختلف اسباب بتائے ہین، ایک روایت یہ ہے کہ ابن رشد کی عادت تھی کہ جب دربار مین منصور سے کسی علمی مسئلہ کے متعلق بحث کرتا تھا، تو منصور کو "برادرمن" کہہ کر خطاب کرتا تھا، اس سے بڑھکر یہ کہ ارسطو کی کتاب الحیوانات کی جو شرح لکھی اس مین زرافہ کے ذکر مین لکھا کہ مین نے اس جانور کو بادشاہ بربر (یعنی منصور) کے ہان دیکھا ہے، یہ معمولی طریقہ خطاب، منصور کی گویا صریحی توہین تھی، [1]

یہ روایت اس لیے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ منصور بالطبع نہایت فخر پسند اور رجاہ طلب تھا، یورپ نے بیت المقدس کو جب مسلمانون کے ہاتھ سے چھیننا چاہا، اور اس ارادہ کے یورپ کے ہر حصے سے فوجون کا بادل اٹھ کر بیت المقدس کی طرف بڑھا، تو صلاح الدین نے منصور

[1] ابن ابی اصیبعہ تذکرۂ ابن رشد،

کے پاس قاصد بھیجا کہ یہ اسلام کی حمایت کا وقت ہے، منصور ہر طرح اعانت دینے کے قابل تھا، اور اعانت دینا چاہتا بھی تھا، لیکن اتنی بات پر برہم ہو گیا کہ صلاح الدین نے خط میں اس کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب نہیں کیا تھا[1]،

صلاح الدین کا تو صرف یہ قصور تھا کہ اس نے منصور کو تمام دنیا کا امیر المومنین نہیں مانا، ابن رشد نے یہ غضب کیا کہ منصور کو صرف بربر کے بادشاہ کے لقب سے یاد کیا، اس سے بڑھ کر منصور کی کیا اہانت ہو سکتی تھی،

اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ابن رشد کی بربادی کا سبب منصور کا مذہبی تعصب تھا، اور ظاہر حالات بھی اس کے مقتضی ہیں، کیونکہ ابن رشد پر جو فرد قرارداد جرم لگائی گئی تھی وہ الحاد اور بے دینی تھی،

حقیقت یہ ہے کہ موحدین کی سلطنت کی بنیاد مذہب کی سطح پر قائم ہوئی تھی، اس سلسلہ کا بانی محمد بن تومرت امامت اور مہدویت کا مدعی تھا، اور اسی حیثیت سے اس نے سلطنت کی بنیاد قائم کی تھی، سلطنت کا صدر مقام مراکش تھا جو صحرا نشین بدوؤں کا گویا کعبہ تھا، اور جہاں ہر طرف بدویت اور سادہ و عجیب کے آثار نظر آتے تھے، فوجی اور ملکی ارکان ٹھیٹ مذہبی خیال کے لوگ تھے، سلطنت کی ملکی قوت، محض اس بات پر موقوف تھی کہ مذہبی جوش کا رنگ قائم رکھا جائے، عیسائیوں نے اسپین کے اکثر حصے دبا لئے تھے، ان کے مقابلے میں صرف مذہبی جوش کی قوت سے عہدہ برائی ہو سکتی تھی، اور منصور نے جو اس سلسلہ کا تیسرا تاجدار تھا، اسی قوت سے کام لیکر عیسائیوں پر عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں، ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دربار، فقہا اور محدثین کے ہاتھ میں تھا اور تمام ملک پر انہی کے خیالات چھا گئے تھے،

---

[1] ابن خلکان تذکرہ یعقوب منصور

ان واقعات کے ہوتے ہوئے، ابن رشد نے فلسفہ پر توجہ کی اور اس طرح کہ ارسطو کو اپنا امام اور پیشوا قرار دیا، اس کی تمام تصنیفات کی تہذیب و ترتیب کی، اُن پر شرحین لکھین، اور بہت سے مسائل کی جو جمہور اسلام کے خلاف تھے حمایت کی، ان مین ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ افلاک قدیم اور ازلی ہین، خدا نے ان کو نہین پیدا کیا، بلکہ خدا، صرف ان کی حرکت کا خالق ہے، ابن رشد نے صرف یہی نہین کیا کہ فلسفہ مین تصنیفات و تالیفات کین، اور فلسفیانہ مسائل کی اشاعت کی بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا کہ اسلامی عقائد کی صحیح تشریح وہی ہے جو ارسطو کے مسائل کے موافق ہو، اس سے بڑھ کر یہ کہ اشاعرہ کے عقائد کو نہایت زور و شور کے ساتھ باطل کیا، اور ثابت کیا کہ یہ عقائد عقل اور نقل دونون کے خلاف ہین، اس موقع پر یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ موحدین خود اشعری تھے، اور انھون نے اس مذہب کو شاہی مذہب قرار دیا تھا، ان سب پر یہ اضافہ ہوا کہ ابن رشد نے امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ کا رد لکھا، اور اس کتاب مین اکثر جگہ امام صاحب کی شان مین گستاخانہ الفاظ استعمال کیے، حالانکہ امام غزالی موحدین کے پیران پیر تھے، کیونکہ وہ محمد بن تومرت کے استاد تھے، اور محمد بن تومرت موحدین کا امام اور ان کی سلطنت کا بانی تھا،

فلسفہ کا رنگ، ابن رشد پر اس قدر غالب آگیا تھا کہ بعض اوقات بے اختیار اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے جو عام عقائد کے خلاف ہوتے تھے، انصاری نے ابو محمد عبد الکبیر سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ منجمون نے یہ پیشین گوئی کی کہ اس سال نہایت سخت ہوا کا طوفان آئے گا، جس سے ہزارون آدمی ہلاک ہو جائین گے، عوام پر اس پیشین گوئی کا یہ اثر ہوا کہ لوگون نے تہ خانے تیار کرائے اور تمام ملک مین نہایت سخت پریشانی پھیل گئی، یہانتک کہ خود سلطنت کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا، دربار مین ایک بڑا مجمع ہوا، اور تمام علماء اور فضلاء طلب کیے گئے، ان مین ابن رشد بھی تھا، دربار سے لوگ واپس آئے تو مین نے ابن رشد سے کہا کہ اگر یہ پیشین گوئی صحیح نکلی تو یہ دوسرا

طوفان ہوگا، کیونکہ قوم عاد کے بعد اس قسم کا طوفان کبھی نہین سنا گیا، ابن رشد بے اختیار جھلا کر بولا کہ خدا کی قسم قوم عاد کا وجود ہی ثابت نہین، طوفان کا کیا ذکر ہے، اس پر تمام لوگ سخت حیرت زدہ ہوگئے،

ابن رشد کی یہ تمام باتین، اگر اس کی ذات تک محدود رہتین تو چندان شورش نہ ہوتی لیکن وہ قاضی القضاۃ تھا، فقیہ تھا، طبیب تھا، اور یہ سب تعلقات اس قسم کے تھے کہ اس کے معتقدات اور خیالات تمام ملک مین پھیل جاتے تھے، ان واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک مین ایک آگ سی لگ گئی، ابن رشد سے جن لوگون کو حسد تھا، ان کو اس سے بڑھکر کیا موقع مل سکتا تھا، ان لوگون نے اس آگ کو اور بھڑکایا، نوبت یہانتک پہنچی کہ اگر منصور علانیہ ابن رشد سے بازپرس نہ کرتا تو رعایا اس کی طرف سے بدگمان ہو جاتی، غرض منصور نے حکم دیا کہ ابن رشد مع اپنے شاگردون اور پیروؤن کے مجمع عام مین حاضر کیا جائے، چنانچہ قرطبہ کی جامع مسجد مین ایک عظیم الشان مجمع ہوا، جس مین ابن رشد ایک مجرم کی حیثیت سے لایا گیا، اس مجمع مین تمام فقہاء اور علما شریک تھے، سب سے پہلے قاضی ابو عبداللہ ابن مروان نے تقریر کی، اور کہا کہ ہر چیز مین نفع اور ضرر دونون باتین پائی جاتی ہین، اس بنا پر نافع اور مضر ہونے کا فیصلہ، نفع یا ضرر کے غلبہ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے، یعنی اگر اس چیز مین نفع کی مقدار زیادہ ہے، تو نافع ہے اور کم ہے تو مضر ہے، قاضی ابو عبداللہ کے بعد ابو علی بن حجاج نے جو خطیب تھے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ابن رشد ملحد اور بے دین ہوگیا ہے،

یہ سب ہوا، لیکن اسلامی آزادی اور فراخ حوصلگی کا پھر بھی اتنا اثر تھا کہ یورپ کی مجلس انکوزیشن کی طرح یہ فتویٰ نہین دیا گیا کہ مجرم زندہ جلا دیا جائے، بلکہ صرف اس سزا پر قناعت کی گئی کہ وہ کسی علیحدہ مقام مین بھیجدیا جائے، حاسدون نے یہ بھی شہادت دی تھی کہ ابن رشد کے خاندان کا کچھ پتہ نہین چلتا، کیونکہ اسپین مین جو قبائل آباد ہین ابن رشد کو کسی سے خاندانی تعلق نہین ہے، اس کا تعلق اگر ثابت ہوتا ہے تو بنی اسرائیل کے خاندان سے ثابت ہوتا ہے، اس بنا پر یہ قرار پایا کہ

وہ موضع لوسینا[1] مین بھیجدیا جائے، کیونکہ یہ خالص بنو اسرائیل کی بستی تھی، اور ان کے سوا اور کوئی قوم یہان سکونت نہین رکھتی تھی،

چونکہ اصلی غرض عوام کو مطمئن کرنا تھا، اس لیے منصور نے ایک فرمان لکھوا کر تمام ملک مین شائع کرایا، جس مین اس واقعہ کا اجمالاً اور ملاحدہ کی دارو گیر کا تفصیلاً ذکر تھا،

فرمان کی ابتدائی عبارت یہ ہے،

" قد کان فی سالف الدھر قوم خاضوا فی بحور الاوھام و اقر لھم عوامھم بشفوف علیھم فی الافھام حیث لا داعی ید عو الی الحی القیوم ولا حاکم یفصل بین المشکوک فیہ والمعلوم فخلد وا فی العالم مخاماً لھا من خارق مسودۃ المعانی والاوراق بعد ھا من الشریعۃ بعد المشرقین وتباینھا بتائن الثقلین یوھمون ان العقل میزانھا والحق برھانھا وھم یتشعبون فی القضیۃ الواحدۃ فرقا و یسیرون فیھا شواکل وطرقا. الخ

چونکہ فرمان کی عبارت، فضول تکرار قوافی، اور حشو و زوائد سے بھری ہوئی ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا لفظی ترجمہ نہین کیا، مضمون کا خلاصہ یہ ہے،

زمانۂ قدیم مین کچھ لوگ ایسے تھے جو وہم کے پیرو تھے، تاہم عوام اُن کے کمالِ عقلی کے گردیدہ ہو گئے تھے، ان لوگون نے اپنے خیال کے موافق کتابین تصنیف کین جو شریعت سے اس قدر دور تھین، جس قدر مشرق مغرب سے دور ہے، ہمارے زمانہ مین بعض لوگون نے ان ہی ملاحدہ کی پیروی کی، اور انھی کے مذاق پر کتابین لکھین،

یہ کتابین بظاہر قرآن مجید کی آیتون سے آراستہ ہین، لیکن تہ مین الحاد اور زندقہ ہے جب ہم کو

---

[1] یہ قرطبہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تھی، جہان صرف یہودی سکونت رکھتے تھے،

ان حالات کی خبر ہوئی تو ہم نے ان کو دربار سے نکال دیا، اور حکم دیا کہ ان کی تصنیفات جہاں ہاتھ آجائین جلادی جائین،

عوام مین جو برہمی پھیل گئی تھی اس کے روکنے کے لئے یہ تدبیر بھی کافی نہ تھی، منصور نے ایک خاص محکمہ اس غرض سے قائم کیا کہ فلسفہ اور منطق کی تصنیفات ہر جگہ سے مہیا کیجائین اور جلادی جائین چنانچہ سیکڑون ہزارون کتابین آگ کی نذر ہوئین، منصور نے یہ سب کچھ کیا لیکن وہ خود فلسفہ دان اور فلسفہ پرست تھا، اس لئے فلسفہ کی یہ تباہی اور بربادی اس کو دل سے گوارا نہ ہوسکتی تھی، تدبیر یہ اختیار کی کہ اس محکمہ کا افسر حفید ابوبکر بن زہر کو مقرر کیا جو خود بہت بڑا فلسفہ دان اور فلسفہ کا شیفتہ تھا علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ابوبکر بن زہر کے حال مین لکھا ہے کہ اس سے منصور کی غرض یہ تھی کہ ابوبکر ابن زہر کے پاس فلسفہ اور منطق کی جو کتابین آئینگی وہ برباد ہونے سے محفوظ رہ جائین گی، ابن زہر نے تمام کتب فروشون کے پاس حکم بھیجدیا کہ فلسفہ کی جس قدر کتابین موجود ہون فوراً یہان بھیجدی جائین، اور جو لوگ فلسفہ کی تحصیل مین مصروف ہون، ان کو سزا دیجائے، ابن زہر کا حکم منصور کا حکم تھا، اس لئے ضرور اس کی تعمیل ہوئی ہوگی لیکن ابن زہر نے ان کتابون کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا؟ اس کا فیصلہ تم خود کر سکتے ہو[1]

قاصد رقیب بودہ و من غافل از فریب
بے درد، مدعای خود اندر میانہ ماست

عام لوگ تو اس نکتہ کو نہ سمجھے لیکن اشبیلیہ مین ایک شخص رہتا تھا جو ابن زہر کا پرانا دشمن اور حاسد تھا، اس نے اس مضمون کا ایک محضر تیار کیا کہ ابن زہر خود فلسفہ کا بڑا حامی ہے، اور اس کے گھر مین اس فن کی ہزارون کتابین موجود ہین، جو رات دن اس کے مطالعہ مین رہتی ہین محضر پر بہت سے لوگون کے دستخط کرائے، اور منصور کے پاس بھیجا، منصور نے محضر کو پڑھ کر حکم دیا کہ عرضی دہندہ قید خانہ مین بھیجدیا جائے، وہ گرفتار ہو کر قید ہوا، اور تصدیق کرنے والے

---

[1] ابن ابی اصیبعہ ذکر حفید ابوبکر بن زہر،

ڈر کے مارے روپوش ہو گئے، منصور نے لوگون سے کہا کہ اگر سارا اندلس جمع ہو کر شہادت دے، تب بھی مین ابن رشد کی منسبت کسی قسم کی بدگمانی نہین کر سکتا[1]،

ابن رشد جب اجلا وطن کیا گیا تو اس کے ساتھ اور بڑے بڑے فضلا بھی شہر بدر کئے گئے، یعنی ابو جعفر ذہبی، ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم قاضی بجایہ، ابو الربیع الکفیف، ابو العباس،

ابن رشد کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ غریب جہان جاتا تھا، ذلیل اور رسوا کیا جاتا تھا، خود اس کا بیان ہے کہ سب سے زیادہ مجھکو جو صدمہ پہنچا، یہ تھا کہ ایک دفعہ مین اور میرا بیٹا عبد اللہ، قرطبہ (کارڈووا) کی مسجد مین عصر کی نماز پڑھنے کے لئے گئے، لیکن نہ پڑھ سکے، چند بازاریون نے ہنگامہ مچایا، اور ہم دونون کو مسجد سے نکال دیا"،

تاج الدین کا بیان ہے کہ مین جب اندلس گیا تو ابن رشد سے ملنا چاہا، معلوم ہوا کہ مغضوب سلطانی ہے، اور کوئی شخص اس سے مل نہین سکتا،

ابن رشد کی گرفتاری اور ذلت پر عوام مین نہایت مسرت کا اظہار کیا گیا، شعرا نے تہنیت آمیز نظمین لکھین، بعض اشعار یہ ہین،

لم تلزم الرشد یا ابن رشد — لما علا فی الزمان جدک

وکنت فی الدین ذا ریاء — ما کان ھکذا جدک

دیگر

نفذ القضاء باخذ کل ممو٘ہ — متفلسف فی دینہ متزندق

بالمنطق اشتغلوا فقیل حقیقۃ — ان البلاء موکل بالمنطق

[1] ابن ابی اصیبعہ ۱۲

دیگر

تفلسفوا وادعوا علوماً	صاحبها في المعاد شقي
واحتقروا الشرع وازدروا	سفاهة منهم وحمقا

منصور نے جو کچھ کیا تھا، صرف ایک حکمت عملی تھی، جس سے ایک فوری ہنگامہ کا فرو کرنا مقصود تھا، شورش کم ہوئی، تو منصور نے پھر ابن رشد کو دربار میں بلانا چاہا، اظہارِ حق یا منصور کی خاطر سے اشبیلیہ کے چند معزز لوگوں نے شہادت دی کہ ابن رشد پر جو تہمت لگائی گئی، غلط اور افترا تھی، غرض ۵۹۵ھ میں ابن رشد کی قسمت کا چاند گہن سے نکلا، اور منصور نے اس کو مراکش میں طلب کیا، لیکن ع

عید ہوئی ذوق مگر شام کو

ابن رشد کی وفات

اب وقت آیا تھا کہ ابن رشد اپنے فضل و کمال کی داد پاتا، اور ارسطو کی طرح اس کے تاجِ فضیلت پر دولت کا طرہ بھی نظر آتا، لیکن بے رحم موت نے اس کا موقع نہ دیا، مراکش پہنچکر وہ بیمار ہوا، اور جمعرات کی رات، صفر ۵۹۵ ہجری مطابق ۱۱۹۸ء میں مرگیا، شہر سے باہر جبانیہ ایک مقام ہے، یہاں مدفون ہوا، لیکن ایک مہینہ کے بعد لوگوں نے قبر کھود کر ہڈیاں نکال لیں، اور قرطبہ لیجا کر مقبرہ ابن عباس میں جو ابن رشد کا خاندانی قبرستان ہے دفن کیں، وفات کے وقت اس کی عمر ۷۵ برس کی تھی، اس واقعہ کے ایک مہینہ بعد منصور نے بھی انتقال کیا،

ابن رشد نے کئی اولادین چھوڑین، ایک بیٹا طب مین نامور ہوا، باقی نے فقہ کی طرف توجہ کی

اور عہدہ قضا پر ممتاز ہوئے،

ابن رشد کے اخلاق و عادات

ابن رشد کے اخلاق و عادات بالکل حکیمانہ تھے، وہ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھا، ایک مدت تک عہدہ قضا پر مامور اور دربار سلطنت مین مقرب رہا، لیکن اپنی دولت وجاہ سے بذات خود مطلق فائدہ نہین اُٹھایا، اس کو جو کچھ ملتا تھا وطن اور اہل وطن پر صرف کرتا تھا، دربار شاہی کے تقرب سے بھی اُس نے جو کام لیا وہ خلائق کی کار براری اور عام نفع رسانی تھی[1]، حلم اور عفو کی یہ حالت تھی کہ ایک شخص نے اس کو مجمع عام مین برا بھلا کہا اور سخت توہین کی، وہ بجاے اس کے کہ مخالف سے انتقام لیتا، الٹا مشکور ہوا کہ اس کی بدولت مجھ کو اپنے حلم کے جانچنے اور آزمانے کا موقع ملا، چنانچہ اس کے صلہ مین کچھ روپیے نذر کیے، لیکن ساتھ ہی اس کو یہ نصیحت بھی کی کہ اورون سے یہ سلوک نہ کرنا ورنہ ہر شخص اس قسم کے احسان کا قدردان نہین ہوتا،

مزاج مین انتہا درجہ کا رحم تھا، مدتون قاضی رہا، لیکن کبھی کسی کو قتل کی سزا نہین دی، اور ایسا ہی موقع آپڑتا تو عدالت کی مسند سے علیحدہ ہوجاتا، اور کسی کو اپنا قائم مقام کردیتا،

مطالعہ اور کتب بینی کا بے انتہا شوق تھا، ابن الآبار کا بیان ہے کہ تمام عمر مین صرف دو راتین ایسی گذرین کہ وہ کتب بینی اور مطالعہ سے باز رہا، ایک نکاح کی رات، اور دوسری وہ رات جس مین اس کے باپ نے وفات پائی،

انتہا درجہ کا فیاض اور سخی تھا، اس کی فیاضی دوست دشمن پر یکسان تھی کہا کرتا تھا،

---

[1] ابن الآبار،

کہ اگر مین صرف دوستون کو دوون تو مین نے وہ کام کیا جس کو خود میرا دل چاہتا تھا، احسان اور فضیلت یہ ہے کہ مخالفون اور دشمنون کے ساتھ سلوک کیا جائے،

وطن کا نہایت شیفتہ تھا، افلاطون نے جمہوریت پر جو کتاب لکھی ہے اس مین یونان کی نہایت تعریف کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہان کے لوگون کو تمام دنیا کی بہ نسبت علوم عقلیہ سے خاص مناسبت ہے، ابن رشد نے اس کتاب کی شرح مین اپنے وطن اسپین کو بھی یونان کا ہم پایہ قرار دیا، جالینوس کا قول تھا کہ دنیا مین سب سے عمدہ آب و ہوا یونان کی ہے، ابن رشد نے کتاب الکلیات مین برخلاف اس کے دعویٰ کیا کہ اس فخر کا مستحق یونان نہین بلکہ قرطبہ (کارڈوا) ہے، ایک دفعہ منصور کے دربار مین ابن زہر اور ابن رشد مین یہ بحث ہوئی کہ اشبیلیہ اور قرطبہ مین کس کو ترجیح ہے، ابن زہر اپنے وطن اشبیلیہ کو ترجیح دیتا تھا، ابن رشد نے کہا کہ اشبیلیہ مین جب کوئی عالم مرجاتا ہے، اور اس کے کتب خانہ کے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو کتب خانہ کو قرطبہ مین لانا پڑتا ہے، کیونکہ اشبیلیہ مین ان چیزون کو کوئی پوچھتا بھی نہین، لیکن قرطبہ مین جب کوئی مغنی اور کلاونت مرتا ہے تو اس کے آلات موسیقی اشبیلیہ مین جاکر فروخت ہوتے ہین، ان واقعات سے دونون شہرون کی فضیلت کا اندازہ ہوسکتا ہے،

ابن رشد کی تصنیفات

ابن رشد مختلف علوم و فنون مین کمال رکھتا تھا، اور تمام علوم و فنون مین اس کی تصنیفات موجود ہین، ابن الآبار کی روایت کے موافق اس کی کل تصنیفات کے صفحے ۲۰ ہزار ہین، جن علوم کو اس نے خاص طرح پر ترقی دی وہ فقہ، طب اور فلسفہ ہین، اور ان مین سے ہم بہ ترتیب ہر ایک علم کی تصنیفات کی تفصیل کرتے ہین،

فقہ

وہ بہت بڑا فقیہ تھا، اور مدتون قضا کے منصب پر ممتاز رہ چکا تھا، اس تعلق سے اس نے فقہ مین حسب ذیل کتابین لکھین جو سب کی سب مقبول و متداول اور فقہ مالکی کے ضروری ارکان مین

۱	بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد،	اس کتاب مین اس نے ہر مسئلہ کے دلائل اور وجوہ لکھے ہین، ابو جعفر ذہبی کا قول ہے کہ فقہ مین اس سے بہتر کتاب مین نے نہین دیکھی، نفح الطیب مین ابن سعید کا قول نقل کیا ہے کہ کتاب جلیل معظم معتمد عند المالکیہ
۲	تحصیل،	اس مین صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے فقہی اختلافات اور ان کے دلائل لکھے ہین، اور خود محاکمہ اور فیصلہ کیا ہے
۳	مقدمات،	ہم نے یہ کتاب سید محمود مرحوم کے لئے کتب خانہ خدیو سے نقل کرا کر منگوائی تھی، خیال تھا کہ ایک فلسفی، فقہ کے فن کو لکھیگا تو کیونکر لکھیگا، لیکن کتاب کو پڑھ کر ہم کو کچھ استعجاب نہین ہوا، بے شبہہ فقہ کی اور کتابون کی نسبت وہ زیادہ صاف، مرتب اور قریب الفہم ہے، لیکن فلسفیانہ تدقیقات کا پتہ نہین، ابو زید دبوسی کی کتاب الاسرار ہم نے دیکھی ہے، دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے،

اصول فقہ

اس فن مین اس کی دو کتابین ہین،

۱	منہاج الادلۃ،	مستقل تصنیف ہے،
۲	خلاصۃ المستصفی،	امام غزالی نے اخیر عمر مین مستصفی ایک کتاب لکھی تھی یہ اس کا خلاصہ ہے،

طب

طب مین ابن رشد کی تصنیفات نہایت کثرت سے ہین، اور اس فن مین اس نے بہت کچھ اضافہ کیا ہے، یہ تصنیفات دو قسم کی ہین، ایک جو اس نے بطور خود لکھی ہین، ان مین کتاب الکلیات نہایت جامع اور محققانہ ہے، اس کے سوا اور چھوٹے چھوٹے رسالے ہین، مثلاً مقالۃ فی المزاج، مقالۃ فی نوائب الحمیٰ،

دوسرے وہ جو یونانی تصنیفات کا خلاصہ یا شرحین ہین، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱	شرح کتاب الاسطقسات لجالینوس	۵	تلخیص کتاب التعرف لجالینوس
۲	تلخیص کتاب المزاج لجالینوس،	۶	تلخیص کتاب الحمیات لجالینوس
۳	تلخیص کتاب القوی لجالینوس،	۷	تلخیص کتاب الادویۃ المفردۃ لجالینوس
۴	تلخیص کتاب العلل والاعراض لجالینوس،	۸	تلخیص النصف الثانی من کتاب حیلۃ البُر لجالینوس،

فلسفہ و کلام

علم کی بدقسمتی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی، کہ وہ شخص جو فلسفۂ ارسطو کا سب سے بڑا مفسر تھا

جس کے فلسفہ نے دوسو برس تک یورپ پر حکمرانی کی، جس نے بوعلی سینا کی غلطیون کی اصلاح کی جس نے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے اشاعرہ کے طلسم کو توڑدیا، جس کے افادات کے لیے بیس ہزار صفحے درکار ہوئے، آج اس کی تصنیفات اس طرح مفقود ہین کہ کہین دو چار ورق ہاتھ آجاتے ہین، تو شایقین فن سمجھتے ہین کہ کیمیا ہات آگئی،

اس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ اس کی تصنیفات خود اس کے زمانہ مین برباد کی گئین، کچھ یہ کہ اسپین کی تصنیفات ممالکِ مشرقیہ مین کم پھیلین، اور اسپین خود تباہ ہوگیا، اور سب سے زیادہ یہ کہ عیسائیون نے جب اسپین پر قبضہ کیا تو سب سے زیادہ انھون نے مسلمانون کے علمی کارنامون پر توجہ کی، اسپین مین جب انکوئزیشن کا محکمہ قائم ہوا، جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو کتابین عقائد عیسوی کے خلاف ہون وہ برباد کردیجائین، تو کارڈینل کزیمن نے جو اس محکمہ کا ایک ممبر تھا، غرناطہ (گرینڈا) مین ۸۰ ہزار عربی زبان کی کتابین جلادین، ابن رشد کی تصنیفات بھی اسی بدقسمت ذخیرہ مین شامل تھین،

تاہم ابن رشد کی تصنیفات، ارباب فن مین اس قدر مقبول ہوچکی تھین، کہ بالکل ناپید نہ ہوسکین، ان تصنیفات کا بڑا ذخیرہ اسکوریال کی خانقاہ مین موجود ہے، جو مڈرڈ پایۂ تخت اسپین سے ۴۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اور اٹلی اور فرانس کے کتب خانون مین ابن رشد کی بہت سی تصنیفات عبرانی خط مین لکھی ہوئی موجود ہین،

یہ اصل عربی نسخون کا حال ہے، باقی ان کتابون کے عبرانی اور لاطینی ترجمے، ان کی تفصیلی کیفیت آگے آتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ عبرانی اور لاطینی زبان مین ابن رشد کا کل کارنامہ محفوظ ہے، لیکن مسلمانون مین ان زبانون کے زباندان کہان ہین،

ابن رشد کی جو تصنیفات ہماری نظر سے گذرین، حسب ذیل ہین،

	فصل المقال	یہ دونون رسالے یورپ کی کوششون سے ہاتھ

۲	مناہج الادلة	آئے، اور یورپ مین اول اول چھپے،
۳	تہافتہ	مصر مین چھپ گیا ہے،
۴	مابعد الطبیعة لارسطو	قسطنطنیہ مین چھپا ہے،
۵	شرح کتاب القیاس لارسطو،	ایک قلمی نسخہ آرہ مدرسہ احمدیہ مین موجود ہے،
۶	تلخیص کتاب الشعر والخطابة لارسطو،	اس کتاب کے جستہ جستہ مقامات پروفیسر شخونے علم الادب مین شامل کیے ہین،

فلسفہ مین اس نے مستقل کتابین بہت کم لکھین، اس کی تمامتر تصنیفات ارسطو کی تصنیفات کی شرح یا خلاصہ ہین، چنانچہ تفصیل حسب ذیل ہے،

شمار	نام کتاب	مضمون
۱	جوامع کتب ارسطو فی الطبعیات والالٰہیات	ارسطو نے طبعیات اور الٰہیات مین جسقدر کتابین لکھی تھین، سب کا مجموعہ ہے،
۲	کتاب الضروری فی المنطق،	منطق مین ہے، اور جوامع کا ضمیمہ ہے،
۳	تلخیص کتب ارسطو،	ارسطو کی تمام کتابون کا خلاصہ ہے،
۴	تلخیص کتاب الکون والفساد لارسطو،	
۵	تلخیص مابعد الطبیعة لارسطو،	ارسطو نے امور عامہ پر جو کتاب لکھی تھی اس کا خلاصہ ہے،
۶	تلخیص کتاب الاخلاق لارسطو،	ارسطو کی کتاب الاخلاق کا خلاصہ،
۷	تلخیص کتاب برہان لارسطو،	ارسطو نے فن برہان پر جو کتاب لکھی اس کا خلاصہ
۸	شرح کتاب السماء والعالم لارسطو	کائنات الجو کے متعلق ارسطو کی کتاب کی شرح ہے

شمار	نام کتاب	مضمون
۹	تلخیص کتاب السماع الطبیعی لارسطو،	
۱۰	شرح کتاب النفس لارسطو،	ارسطو نے روح پر جو کتاب لکھی تھی اس کی شرح ہے
۱۱	شرح کتاب القیاس لارسطو،	
۱۲	تلخیص الالہیات نیقولاؤس،	نیقولاؤس کے الہیات کا خلاصہ ہے،
یہ وہ کتابین ہین جو ارسطو وغیرہ کی تصانیف کا خلاصہ یا شرحین ہین. مستقل تصنیفات حسب ذیل ہین،		
۱	رسالہ مقالۃ فی العقل.	اس بحث مین ہے کہ عقل ہیولانی اخیر درجہ تک پہنچکر روحانیات محض کا ادراک کر سکتی ہے، یا نہین،
۲	رسالہ	یہ ثابت کیا ہے کہ عالم کی خلقت، کو جس طرح اہل اسلام مانتے ہین، اور جو ارسطو نے بیان کیا ہے، وہ دونون قریب قریب ہین،
۳	رسالہ	ارسطو اور ابونصر کی منطق مین جو تصنیفات ہین ان کا موازنہ کیا ہے، اور دونون مین جو اختلاف ہے، اس کو بتایا ہے،
۴	رسالہ	عقل کو انسان سے کس قسم کا تعلق ہی،
۵	رسالہ	الہیات شفا کے چند مسائل کی تنقید کی ہے،
۶	رسالہ	زمانہ کی حقیقت بیان کی ہے،
۷	رسالہ	مادۂ اول کے وجود پر ارسطو نے جو استدلال کیا تھا، اُسپر کسی نے اعتراض کیا تھا، اُسکا جواب دیا ہی،

شمار	نام کتاب	مضمون
۸	رسالہ	بو علی سینا کے اس مسئلہ کو رد کیا ہے کہ موجودات کی تین قسمین ہین، واجب بالذات، ممکن بالذات، واجب بالغیر و ممکن مطلق،
۹	رسالہ	بو نصر فارابی اور ارسطو مین برہان کی ترتیب اور حدود کے متعلق جو اختلافات ہین، اُن کو بیان کیا ہے،
۱۰	فصل المقال	شریعت اور فلسفہ مین جو تعلق ہے، اُس کو بیان کیا ہے،
۱۱	مناہج الادلہ	مہماتِ عقائد اسلام کو دلائلِ عقلیہ سے ثابت کیا ہے
۱۲	تہافۃ التہافۃ	امام غزالی تہافۃ الفلاسفۃ کا رد ہے،

ابن رشد کی تصنیفات کی کثرت، تنوع، جدتِ مضامین، تحقیق و تنقید، جس قدر حیرت خیز ہے، اس سے زیادہ یہ امر تعجب انگیز ہے، کہ تمام تصنیفات نہایت کثیر الاشغالی اور پریشانی کی حالت کی ہین، وہ قاضی القضاۃ اور افسر صیغۂ عدالت تھا، اس تعلق سے وہ مراکو اور اسپین کے تمام بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کرتا رہتا تھا، انہی دورون مین تصنیف و تالیف کا شغل بھی رہتا تھا، کتاب الحیوان کی شرح مین خود اس نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ماہ صفر ۵۶۵ھ مین بمقام اشبیلیہ تمام ہوئی، پھر عذر خواہی کی ہے کہ اگر اس کتاب مین سہو و خطا ہو گئی ہو تو معافی کی امید ہے، کیونکہ اول تو کار منصبی سے فرصت نہین ملتی، دوسرے کتب خانہ وطن مین ہے، اور ضروری کتاب تک ساتھ نہین، اسی قسم کی عذر خواہی کتاب الطبیعہ کی شرح مین کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب رجب ۵۶۵ھ مین بمقام

اشبیلیہ تمام ہوئی، مجسطی کا جو اختصار کیا ہے، اس مین لکھا ہے کہ مین نے صرف اہم اور مقدم مطالب لیلئے ہین، میری حالت بالکل اُس شخص کی سی ہے جس کے مکان مین آگ لگ گئی ہو، اور وہ گھبراہٹ اور اضطراب مین صرف مکان کے ضروری اور قیمتی اسباب نکال نکال کر پھینک رہا ہو، کتاب الالہیات اور کتاب البیان ۵۷۰ھ کے آغاز مین ساتھ ساتھ لکھنی شروع کی تھی، اسی اثنا مین بیمار ہوگیا، اور زیست کی امید نہین رہی، اس خیال سے کتاب البیان کو چھوڑ کر الہیات کی تکمیل مین مصروف ہوگیا کہ کتاب البیان کے ساتھ کہین یہ بھی رہ نہ جائے، جوہر الکون پر جو رسالہ لکھا ہے وہ مراکو مین ۵۷۴ھ مین تمام ہوا، لیکن ۵۷۵ھ مین پھر اشبیلیہ واپس جانا پڑا، یہان اس نے فقہ پر ایک کتاب لکھی، اسی سنہ مین ابن طفیل کی وفات کی وجہ سے منصور نے اس کو مراکو مین بلالیا اور اپنا طبیب خاص مقرر کیا،

یہ اسباب وحالات، کثرت اشغال، پریشانی اور پراگندہ دلی، کوئی چیز اُس کو اپنے اشغال سے نہ روک سکی اور یہ ابن رشد کی خصوصیت نہین، بزرگان اسلام مین عموماً یہ ادا پائی جاتی ہو کہ انقلابات زمانہ کی باد صرصر ان کے اوراق حواس کو پریشان نہین کرسکتی تھی، امام رازی، بوعلی سینا، امام غزالی، شہاب مقتول وغیرہ کے جو کارنامے ہین وہ بھی اسی قسم کی بے سروسامانی اور پریشانی کے زمانہ کی یادگار ہین،

یورپ مین فلسفۂ ابن رشد کی اشاعت[1]

یورپ مین ابن رشد کی تصنیفات کی جس طرح اشاعت ہوئی اور اس کا اثر جو یورپ

---

[1] اس مضمون کے متعلق چند باتین عرض کردینی ضرور ہین۔

اوّل یہ کہ یہ مضمون تمام تر پروفیسر رینان کی کتاب "سوانح ابن رشد" سے ماخوذ ہے،

(۴۹ پر)

پرپڑا، وہ ایک دلچسپ داستان ہے، لیکن اس کے بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ یورپ مین عام
فلسفۂ عرب کی اشاعت کی ابتدا کی مختصر کیفیت بیان کیجائے،

یورپ جس زمانہ مین مسلمانون سے صلیبی لڑائیان لڑ رہا تھا، اُس وقت مسلمانون کی نسبت
یورپ کے عجیب عجیب خیالات تھے، لیکن جب اسلامی ممالک مین اہلِ یورپ کا گذر ہوا، اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) لیکن پروفیسر مذکور نے اس مضمون کو اس قدر وسعت سے لکھا ہے کہ کئی سو صفحون مین ادا ہوا
ہے، مین کبھی فرصت کے وقت پورے مضمون کو اردو مین لانے کی کوشش کرونگا، لیکن اس وقت
مین رینان کی کتاب کی طرف رجوع نہ کرسکا، بلکہ الجامعہ کے ایڈیٹر نے رینان کی کتاب کا عربی مین جو نہایت
ناتمام خلاصہ لکھا ہے، اس کو مختصر طور پر ادا کردیا ہے،

یہ امر خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ اس مضمون مین جن یورپین پروفیسرون اور مصنفون کے
نام آئے ہین، ان کا تلفظ بالکل بدل گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ فرنچ تلفظ انگریزی تلفظ سے بہت مختلف
ہے، اس پر مزید یہ کہ الجامعہ کے ایڈیٹر نے ان نامون کو معرب کرکے لکھا، اور مین نے اس کی پیروی کی مگر فرنچ
تلفظ عربی کے قالب مین ڈھل کر انگریزی تلفظ سے بالکل بیگانہ ہو گیا ہے، اور انگریزی خوانون کو یہ
نام بالکل اجنبی معلوم ہون گے،

اس مضمون مین اصلی جو چیز لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ اپنے علوم و فنون اور اپنے
اسلاف کی یادگارون کی پرستش کے بڑے دعویدار ہین، لیکن یہ دیکھ کر اُن کو سخت حیرت ہوگی کہ ابن رشد
جس کی تصنیفات کا ان کو نام و نشان بھی نہین ملتا، یورپ مین ایک مدت تک اس کی تصنیفات تمام
بڑی بڑی یونیورسٹیون مین داخلِ درس رہین، اور سینکڑون اہلِ فن ان تصنیفات کے شروح و حواشی
لکھنے مین مصروف تھے، اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ یورپ نے یونان اور عربی فلسفہ کو اب
جو نظر انداز کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہے،

اُن کو ہر طرف مسلمانون کے علمی اور عملی ترقیون کے عجیب وغریب منظر نظر آئے، تو سب سے پہلا اثر جو یورپ کے دل پر پڑا، وہ مسلمانون کی علمی فضیلت کا اعتراف تھا، یورپ کی یہ فیاض دلی رشک کے قابل ہے کہ ایک طرف تو مذہبی اختلافات کی بنا پر مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، لیکن دوسری طرف اس نے بے تکلف مسلمانون کے خوانِ کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی،

سب سے پہلے طلیطلہ (ٹالیڈو) کے لارڈ بشپ نے جس کا نام ڈریمونڈ تھا، سنہ ۱۱۳۰ء مین ایک محکمہ اس غرض سے قائم کیا، کہ اسلامی فلسفیانہ تصنیفات عربی سے لاطینی زبان مین ترجمہ کی جائین، اس محکمہ کے ارکان وہ یہودی علمار تھے جو عربی زبان اور عربی فلسفہ کے ماہر تھے، ان مین سب سے ممتاز یوحنا تھا، جو اشبیلیہ کا رہنے والا تھا، اس محکمہ کا افسر گُندلسالفی مقرر ہوا، اس محکمہ نے ابن سینا کی بہت سی کتابین ترجمہ کین، چند روز کے بعد دی کریمون اور الفرڈ دی مولائی نے فارابی اور کندی کی بعض بعض تصنیفین بھی ترجمہ کین،

اسی زمانہ مین جزیرہ سسلی اور نیپولی مین بھی عربی کتابون کا ترجمہ شروع ہوا،

یہ ابتدائی حالت تھی، لیکن فلسفہ عرب کی اشاعت کا اصلی زمانہ درحقیقت فریڈرک دوم سے شروع ہوتا ہے، جو جرمن کا مشہور فرمانروا گذرا ہے، یہ علم پرور بادشاہ درحقیقت یورپ کا مامون الرشید تھا، اُس کی طبیعت فطرۃً فلسفیانہ واقع ہوئی تھی، اور جس قدر مذہبی گروہ اس کے خیالات کی مخالفت کرتا تھا، اُس کا میلان فلسفہ کی جانب اور بڑھتا جاتا تھا، چونکہ اس زمانہ مین عموماً علم وفن کے سرچشمہ اہلِ عرب تسلیم کیے جاتے تھے، اس نے ایک سسلی کے باشندہ سے عربی زبان سیکھی، اور عرب کے رسم ورواج کا اس قدر شیفتہ ہوا کہ مشرقی بادشاہون کی طرح اُس نے حرم اور خواجہ سرا مقرر کیے، دور دور سے عربی دان فضلار جمع کیے، یہانتک کہ بغداد کے علما۔ وفضلا بھی اُس کے دربار مین پہنچے، جو بڑی چوڑی آستینون والی عبائین زیبِ بدن کرتے تھے،

فریڈرک علانیہ عرب کے علوم وفنون ومراسم کی مداحی کرتا تھا، حالانکہ یہ امر اُس کے تمام دربار کو سخت ناگوار تھا، بااین ہمہ صلیبی لڑائیوں کے سلسلے مین یورپ نے جب بیت المقدس پر چھٹا حملہ کیا تو بادشاہ بھی ایک فوج کثیر کے ساتھ اس حملہ مین شریک ہوا، لیکن یہان بھی وہ علمی مشاغل سے خالی نہ رہا، مسلمان علمار کو اپنی مجلس مین بلاتا تھا، اور ریاضی کے مشکل مسائل ان سے حل کراتا تھا، ان مسائل کو وہ اسلامی فوج کے سپہ سالار کے پاس بھی حل کی غرض سے بھیجا کرتا تھا، اگرچہ مسلمانون کے ساتھ وہ سخت لڑائیان لڑتا تھا، لیکن مذہب کی یہ حالت تھی کہ ہیکلِ مقدس مین جاکر حضرت عیسیٰؑ کی مقدس زیارت گاہ کی ہنسی اڑاتا تھا، یہانتک کہ ایک دن لارڈ بشپ کے سامنے بھی اُس نے اُسی قسم کی تمسخر آمیز باتین کین، جن کو بشپ نے قلمبند کرلیا،

عیسائی عموماً اس کو برا سمجھتے تھے، اور خصوصاً پادریون نے تو اس کی ہجو مین نظمین لکھین، پوپ نہم گریگوریس نے اپنی ایک تحریر مین اس کی نسبت فتویٰ دیا کہ "یہ بادشاہ فسادکا بانی ہے، کیونکہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ جب تک کوئی چیز عقل اور نظام طبعی سے نہ ثابت ہو، اس کو تسلیم نہین کرنا چاہیے،

عام عیسائی جماعت نے اس کو دجال کا خطاب دے رکھا تھا، لیکن اُس نے ان تمام باتون کی مطلق پروانہ کی، اور نہایت آزادخیالی سے عربی کتابین ترجمہ کرائین،

یہ وہ زمانہ تھا کہ ابن رشد کے یہودی تلامذہ، اسپین سے نکل کر مختلف ممالک مین پھیل گئے تھے ان مین سے ایک خاندان جو طیبون کہلاتا تھا، اسپین سے ہجرت کرکے فرانس مین چلا آیا تھا، ان مین سے موسیٰ بن طیبون اور سموئیل بن طیبون نے ابن رشد کی بعض کتابین عبرانی مین ترجمہ کین، ابن رشد کی تصنیفات کا یہ پہلا ترجمہ تھا، شہنشاہ فریڈرک نے جب اسلامی کتابون کا ترجمہ کرانا چاہا، تو ان یہودی علما کو اُس نے دربار مین بلایا، اور یہ خدمت ان کے سپرد کی، یہودا ابن سلیمان جو ٹالیڈو کا

رہنے والا تھا، اور فریڈرک کے خاص مقربین میں تھا، اس نے ۱۲۴۷ء میں ایک کتاب لکھی جس کا نام طلب الحکمۃ رکھا، یہ کتاب تمام تر ابن رشد کی تصنیفات سے ماخوذ تھی، ایک اور یہودی عالم جس کا نام یعقوب بن ابی مریم تھا، اور جو نیپولی میں مقیم تھا، اور خاندان طیبون کا داماد تھا، اس نے ۱۲۳۲ء میں شہنشاہ فریڈرک کی فرمایش سے ابن رشد کی متعدد تصنیفات ترجمہ کیں، اس کے بعد کالونیم نے جوارل کا باشندہ تھا، اور ۱۲۸۷ء میں اس کی ولادت ہوئی تھی ابن رشد کی کتابوں کا عبرانی زبان میں ترجمہ شروع کیا، وہ لاطینی زبان بھی جانتا تھا، چنانچہ تہافۃ التہافۃ کا ترجمہ اس نے لاطینی ہی زبان میں کیا، جو ۱۳۲۸ء میں انجام کو پہنچا،

غرض چودہویں صدی کے آغاز تک ابن رشد کا فلسفہ تمام یہود میں پھیل گیا، اسی زمانہ میں ایک یہودی فاضل نے جس کا نام لاوی بن حرشون تھا، اور جس کو اہل یورپ لادن افریقی کے نام سے خطاب کرتے تھے، ابن رشد کے فلسفہ کی اسی طرح شرح اور خلاصے لکھے جس طرح ابن رشد نے ارسطو کے فلسفہ کی شرح اور تلخیص کی تھی، یہ فاضل بالکل آزاد خیال تھا، وہ مادہ کے قدیم ہونے کا قائل تھا، نبوت کی نسبت اس کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ انسانی قوتوں سے ایک قوت کا نام ہے، اس نے یہودی مذہب کو فلسفہ سے ملانا چاہا، اور فلسفہ اور مذہب میں تطبیق کی، ان یہودی حکما میں سب سے آخر شخص الیاس مدیکو تھا، جو پیڈوا کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا،

سولھویں صدی عیسوی میں یہود کے مذہبی علما نے یہ دیکھ کر کہ فلسفہ مذہب کو برباد کئے دیتا ہے بڑے زور شور سے فلسفہ کی مخالفت شروع کی، چنانچہ مشینو نے جو مذہبی حیثیت سے ربی کا لقب رکھتا تھا، امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ ۱۵۳۸ء میں شائع کی جس سے ابن رشد کی مخالفت کا اظہار مقصود تھا،

اس وقت تک ابن رشد کے فلسفہ کی جو کچھ اشاعت اور ترویج ہوئی تھی، زیادہ تر یہودیوں

مین ہوئی تھی، اور وہی فلسفہ ابن رشد کے حامی اور پیرو خیال کئے جاتے تھے۔ اب وہ زمانہ آیا کہ تمام یورپ مین ابن رشد کے فلسفہ نے رواج پایا،

سب سے پہلا شخص جس نے یہ خدمت ۱۲۳۰ء مین انجام دی میکال اسکاٹ تھا، یہ فاضل ٹلیڈو (طلیطلہ) مین قیام رکھتا تھا، اور شاہ فریڈرک جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس کے درباریون مین تھا،

اسکاٹ کے بعد مارسن نے جو خاص جرمن کا رہنے والا تھا، ابن رشد کے فلسفہ کی اشاعت کی، یہ فاضل بھی فریڈرک کے دربار مین ایک معزز حیثیت رکھتا تھا، اس کے بعد اس طرف عام توجہ شروع ہوئی، یہانتک کہ تیرہوین صدی کے ختم ہونے سے پہلے ابن رشد کی تمام فلسفیانہ تصنیفات لاطینی زبان مین ترجمہ ہو چکی تھین

ابن رشد کے فلسفہ کی مخالفت

ابن رشد کے خیالات کا یورپ مین پھیلنا تھا کہ تمام عیسائیون کی مذہبی جماعت مین ایک آگ سی لگ گئی، ۱۲۰۹ء مین ایک بڑا مذہبی جلسہ منعقد ہوا جس نے پیروانِ ابن رشد کی گمراہی کا فتویٰ دیا،

۱۲۱۵ء مین عیسائی مذہبی محکمہ نے یہ فتویٰ نافذ کیا کہ فلسفہ ارسطو اور تصنیفات بوعلی سینا کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے، ۱۲۳۱ء مین پوپ نہم نے جس کا نام گریگیوریوس تھا حکم دیا کہ عرب کے فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا قطعاً بند کر دیا جاے،

گوایم ڈفرن جو ایک مشہور فاضل تھا اس نے نہایت سختی سے ابن سینا کے فلسفہ کا رد لکھا، ڈفرن کے بعد پیرنے جو بہت بڑا متکلم تسلیم کیا جاتا تھا، فلسفۂ عرب کے رد مین بہت سی کتابین لکھین، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ ابوعلی سینا کا مداح تھا، اور ابن رشد کو اس وجہ سے برا سمجھتا تھا کہ اس نے سینا کی مخالفت کی،

مخالفینِ ابن رشد مین سب سے زیادہ شہرت سینٹ ٹامس نے حاصل کی، یہ شخص مغربی کلیسا کا سب سے بڑا متکلم اور عالم خیال کیا جاتا تھا، اس نے ابن رشد کے فلسفہ کو نہ صرف مذہبی بلکہ عقلی

دلائل سے بھی رد کیا، اور چونکہ ابن رشد فلسفۂ ارسطو کا سب سے بڑا شارح خیال کیا جاتا تھا، ابن رشد کے مقابلہ مین وہ دلائل استعمال کیے جو ارسطو کے دلائل سے ماخوذ تھے،

پادریون نے اس خدمت کے صلہ مین اس کی اس قدر عزت کی کہ اس کو ایک مقدس مذہبی امام قرار دیا، چودھوین صدی کے ایک مشہور مصور نے ۱۳۴۰ء مین ایک عمدہ مرقع بنایا، جو مقدس کاترین کے گرجا مین بمقام پیزہ (اٹلی) نصب کیا گیا، اس مرقع کی یہ صورت تھی کہ سب سے اوپر ذات مقدس جلوہ گر ہے، جس کے چارون طرف ملائکہ صف بستہ ہین، ذات مقدس سے نور کی شعاعین منتشر ہوتی ہین، نیچے بادل کی سطح پر حضرت موسیٰ، پولوس اور اناجیل اربعہ ہین، اور نور کی شعاعین ان پر آکر پڑتی ہین، بادل کے نیچے مقدس ٹامس کھڑا ہے، جس پر نور کی شعاعین حضرت موسیٰ وغیرہ سے گذر کر پڑتی ہین، ان شعاعون کے علاوہ نور کی تین شعاعین براہ راست ذات مقدس سے ٹامس پر پڑتی ہین، ذرا نیچے دونون جانب ارسطو اور افلاطون کھڑے ہین، ان دونون کے ہاتھ مین دو کتابین ہین جن سے نور کا ایک سلسلہ بلند ہو کر ٹامس کے سر تک پہنچتا ہے، اور ذات الٰہی کے نور مین مخلوط ہو جاتا ہے، ٹامس کرسی پر جانشین ہے، اس کے ہاتھ مین کتاب مقدس ہے جو کھلی ہوئی ہے، اور جس کے سر صفحہ پر یہ عبارت ہے "میرا منھ سچ بولتا ہے، اور میرے ہونٹھ گمراہی سے منکر ہین"، ٹامس کی کرسی کے چارون طرف ہر درجے کے مقدس پادریون کی قطار ہے جن پر ٹامس کی تصنیفات کی شعاعین پڑ رہی ہین، انہی شعاعون مین سے ایک شعاع ابن رشد پر بھی پڑ رہی ہے، جو ٹامس کے سامنے زمین پر پچھڑا ہوا پڑا ہے،

ابن رشد کے جن مسائل کا رد لکھا وہ حسب ذیل ہین،

۱- مادہ ازلی ہے اور اس کی حقیقت نہین معلوم ہو سکتی،

۲- سلسلۂ کائنات کا اتصال علت اولیٰ سے جس طرح ابن رشد نے بیان کیا تھا،

۳- علتِ اولیٰ اور معلولات مین عقل کا توسط،

۴- کوئی شے عدم محض سے وجود مین نہین آسکتی،

ٹامس نے ان مسائل کو باطل ثابت کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ اصل مین ارسطو نے غلطی کی تھی، اور حکماے اسلام نے غلطی پر غلطی کی،

ٹامس کی وفات کے بعد ریمون مارتینی نے فلسفۂ عرب کی مخالفت مین کتابین لکھین، لیکن ان تصنیفات مین اس نے زیادہ تر امام غزالی سے مدد لی، وہ کہا کرتا تھا کہ فلسفہ کا رد فلسفی (غزالی) کی زبان سے زیادہ موزون ہے،

ریمون کے بعد بہت سے مصنفین نے ٹامس کی حمایت اور فلسفۂ عرب کی مخالفت مین کتابین لکھین، ان مین یہ مذاق اس قدر بڑھا کہ اٹلی کے مشہور شاعر ڈینٹی نے بھی ابن رشد کی ہجو لکھی، اس کے بعد جیل دی روم نے بڑے زور شور سے فلسفۂ عرب خصوصاً ابن رشد کے فلسفہ پر حملہ کیا، اور اس مین اس قدر ناموری حاصل کی کہ مقدس ٹامس کے سوا اور کسی کو حاصل نہین ہوئی تھی،

لیکن اس میدان مین جو شخص سب کا پیشرو تھا وہ ریمون لول تھا، یہ شخص دو برس یعنی سنہ ۱۳۱۰ع سے سنہ ۱۳۱۲ع تک پیرس سے لیکر جنیوا، نیپولی پزہ وغیرہ کا صرف اس غرض سے دورہ کرتا رہا، کہ لوگون کو فلسفۂ عرب کی مخالفت پر آمادہ کرے، یہانتک کہ جب سنہ ۱۳۱۱ع مین ویانا مین ایک مجلس منعقد ہوئی تو اُس نے پوپ کی خدمت مین ایک درخواست پیش کی، جس مین تین باتون کی درخواست کی، ایک یہ کہ ایک بڑا لشکر مسلمانون کے برباد کرنے کے لیے تیار کیا جائے، دوسرے یہ کہ عربی زبان کی تعلیم کے لیے یونیورسٹیان قائم کیجائین، تیسری یہ کہ ابن رشد کی تصنیفات کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دے دیا جائے،

حامیانِ ابن رشد. مذہبی جماعت مین اگرچہ فلسفۂ عرب کی نسبت اس قدر شورش برپا تھی لیکن

فلسفہ کا جادو ایسا نہ تھا کہ کوئی جماعت اس سے بے اثر رہ سکتی، مذہبی ہی گروہ مین ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جس نے نہایت استقلال اور دلیری سے فلسفۂ عرب کی حمایت کی یہ فرقہ فرانسیسکن کہلاتا تھا، ان لوگون نے بڑی آزادخیالی اور دلیری سے روما کی سطوت حکومت کا مقابلہ کیا، اور ٹامس کے رد مین کتابین لکھین، چونکہ یہ لوگ ٹامس کے عقائد کے ابطال کو اپنا اصلی فرض سمجھتے تھے اس لیئے ان کو خواہ مخواہ فلسفۂ عرب سے اعانت لینی پڑی،

اس فرقہ کے مشہور لیڈر، جان دی لارڈ شل نے علانیہ ابن سینا کی پیروی کا اظہار کیا، اور علم النفس واخلاق کی نسبت اس نے جو کچھ لکھا تمامتر ابن سینا کی تصنیفات سے لکھا، اب فرانس کی مذہبی تعلیم گاہ دو فرقون مین تقسیم ہو گئی، سوربون کے مدرسہ مین ٹامس کے معتقدات کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن پیرس کی یونیورسٹی مین ابن رشد کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا، ڈمنیکین فرقہ سوربون کی تعلیم کا حامی تھا، چنانچہ ان دونون نے متفق ہو کر پوپ چہارم سے جس کا نام الگزنڈر تھا، چھ سات برس کے عرصہ مین چالیس فرمان اس مضمون کے صادر کرائے کہ عرب کے فلسفہ کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے، ۱۲۶۹ء مین پیرس کی مذہبی مقدس مجلس نے یہ فرمان صادر کیا،

یہ جلسہ ان لوگون کے فاسد العقیدہ ہونے کا فتویٰ دیتا ہے، جو اعتقادات ذیل کے قائل ہین،

۱- عالم ازلی ہے،

۲- تمام انسانون مین ایک ہی عقل پائی جاتی ہے۔

۳- انسان کا سلسلہ کسی ایک آدم معین تک منتہی نہین ہوتا،

۴- نفس جسم کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے،

۵- خدا جزئیات کا عالم نہین ہے،

۶۔ خدا قابلِ فنا چیزون کو ابدی نہین کرسکتا،

ان سب ہنگامون کے ساتھ ابن رشد کا فلسفہ یورپ مین برابر پھیلتا گیا، یہانتک کہ چودہوین صدی عیسوی مین بڑا حصہ یورپ کا ابن رشد کا پیرو بن گیا، چنانچہ فرانس کے مشہور بادشاہ لوئس یازدہم نے ۱۴۷۳ء مین جب صیغۂ تعلیم کی اصلاح کرنی چاہی تو پروفیسرون کو حکم دیا کہ ارسطو کی تصنیفات پر ابن رشد کی جو شرحین ہین وہ نصاب مین داخل کیجائین، اب یہ نوبت پہنچی کہ تمام یورپ مین ابن رشد کا فلسفہ علانیہ پڑھا جاتا تھا، اور کوئی مخالفت نہین کرسکتا تھا،

پیڈوا کی یونیورسٹی | ابن رشد کے فلسفہ نے اگرچہ تمام یورپ مین رواج پایا، لیکن اعلیٰ صدر مقام اس فلسفہ کا پیڈوا کی یونیورسٹی تھی، جو اٹلی مین واقع تھی، اس یونیورسٹی مین سب سے پہلے جس نے ابن رشد کے فلسفہ کو داخلِ نصاب کیا، پطرس دابانو تھا، اب یورپ کے تمام علمی طبقہ مین ابن رشد کی یہ عزت کی جاتی تھی، کہ لوگ اس کے نام پر فخر کرتے تھے،

اس یونیورسٹی مین سب سے پہلے ابن رشد کی طبی تصنیفات کی تعلیم شروع ہوئی، پھر رفتہ رفتہ اس کے فلسفہ نے رواج پایا، اس تعلیم کا بانی اول پٹیر دابانو تھا، اس زمانہ مین یورپ کے تعصب کا یہ حال تھا کہ اس کے مرنے کے بعد پٹیر مذکور پر انکویزیشن (مجلس تحقیقات) نے فرد قرار دادِ جرم قائم کی، اور فیصلہ یہ ہوا کہ اس کی ہڈیان قبر سے نکال کر جلا دیجائین، چنانچہ اس فیاضانہ حکم کی تعمیل بھی ہوئی، لیکن فلسفۂ ابن رشد کا ہر قدم آگے بڑھتا جاتا تھا، پیڈوا کی یونیورسٹی کے ماتحت اور جو بہت سی یونیورسٹیان تھین، سب مین اس کے فلسفہ نے رواج پایا، تمام اونچی سوسائٹیون کے ممبر اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم فلسفۂ ابن رشد کے پیرو ہین، بااین ہمہ یورپ کا تعصب بھی اپنا کام کرتا جاتا تھا، یہانتک کہ متعصبین کی جماعت مین پٹیر یارک ایک شخص پیدا ہوا، جو نہ صرف ابن رشد بلکہ عام طور پر فلسفۂ عرب کا دشمن تھا، لیکن یہ عجیب بات

ہے کہ پیٹرارک ہی اس زمانے کا سب سے پہلا شخص ہے، جس نے یورپ کو یونانی علوم و فنون کی تعلیم پر آمادہ کیا، وہ اپنے دوست جان وانڈی سے کہا کرتا تھا کہ "میں اطبائے یونان کا منکر نہین ہون، لیکن عرب کے اطبا، بالکل بے حقیقت ہین، مین نے عرب کے اشعار پڑھے ہین، ان کی شاعری سے بڑھ کر کوئی چیز مہمل ہر کیک اور ضرر رسان نہین ہو سکتی، ہمارے بعض اطبا، کہتے ہین کہ اگر آج بقراط زندہ ہوتا تو اہلِ عرب کی تصنیفات کے ہوتے ہوے کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہین دیکھتا، افسوس یہ کس قدر لغو بات ہے، کیا ڈیما سیٹنس کے بعد سیرو مقرر نہین پیدا ہوا، کیا ہومر کے بعد ورجل شاعر نہین پیدا ہوا، کیا ہیروڈوٹس کے بعد سالسٹس نے تاریخ نویسی مین شہرت عام نہین حاصل کی، پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ عرب کے بعد کوئی ان کا ہمسر نہ ہوگا، جب کہ ہم اٹلی کے لوگ بہت سی باتون مین اٹلی کو تمام دنیا پر ترجیح دیتے ہین تو کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ عرب کو ہم تمام دنیا سے افضل تر مان لین"۔

ایک دفعہ ایک شخص پیٹرارک سے ملنے آیا، سلسلۂ کلام مین پیٹرارک نے پولوس کے کلام کی سند پیش کی، اس شخص نے کہا "آپ کو اختیار ہے جس کو چاہین اپنا استاد اور رہنما بنائین، لیکن ہمارے لئے صرف ابن رشد کافی ہے"، پیٹرارک نے جواب دینا چاہا، اس شخص نے کہا مین آپ کو منع نہین کرتا، آپ پکے عیسائی رہین، لیکن مجھ کو ان خرافات سے معاف رکھیے، پولوس (پیغمبر) جس کا نام آپ اس عظمت سے لیتے ہین ابن رشد کے آگے اس کی کیا حقیقت ہے، پیٹرارک غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور اس کو اپنے گھر سے نکال دیا، پیٹرارک کے بعد پیڈوا کی یونیورسٹی مین جانڈن اسکا قائم مقام ہوا، لیکن وہ ابن رشد کے فلسفہ کا بہت حامی تھا، یورپ نے اس کو سلطان الفلاسفہ کا لقب دیا، جانڈن کے بعد پولوس نے اس کی جگہ لی، غرض پندرھوین صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہوتے پیڈوا اور بولونیا کی یونیورسٹیون

مین ہر جگہ ابن رشد ہی ابن رشد تھا لیکن ابن رشد کی عظمت کے چاند مین اب گہن لگنا شروع ہو گیا، بومبانا ایک شخص پیدا ہوا جس نے ابن رشد کے فلسفہ پر حملہ شروع کیا، ابن رشد اس بات کا قائل تھا کہ روح جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور اس لحاظ سے وہ ابدی چیز ہے، بومبونا نے اس مسئلہ کی مخالفت کی، اور کہا کہ روح اور جسم ساتھ ساتھ فنا ہوتے ہین، البتہ چونکہ نوع انسانی ہمیشہ قائم رہے گی، اس لیے اس لحاظ سے انسان کو غیر فانی کہہ سکتے ہین، فلسفۂ ارسطو کے مفسرین مین سب سے زیادہ نامور، اسکندر افرودوسی ایک شخص گذرا ہے، ابن رشد بھی جا بجا اس سے استناد کرتا ہے، اس کا یہی مذہب تھا کہ روح فانی چیز ہے، بومبونا کو ابن رشد کی مخالفت کی زیادہ تر جرأت اسی وجہ سے ہوئی کہ خود ابن رشد کا معتقد علیہ بقاے روح کا منکر ہے،

بومبونا کی مخالفت نے دو گروہ پیدا کر دیئے، ایک ابن رشد کا مخالف اور دوسرا موافق یہ امر حیرت سے سننے کے قابل ہے کہ لاوِن جو دسوان پوپ تھا، اسی نے نیفوس ایک فلسفی عالم کو حکم دیا کہ بومبونا کا رد لکھے، بظاہر تو اس سے پوپ کی نہایت روشن ضمیری ثابت ہوتی ہے، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ ابن رشد کی تصنیفات مین فلسفہ کے ساتھ مذہب کا پہلو بھی ملحوظ تھا، بخلاف اس کے بومبونا وغیرہ نے جن خیالات کا اظہار شروع کیا تھا، وہ سرے سے مذہب کی بنیاد ڈھائے دیتے تھے اور یہ اس ملحدانہ فلسفہ کا سنگِ بنیاد تھا، جس کی عمارت آج کل یورپ مین تکمیل کو پہنچ گئی ہے، غرض نیفوس اور اشیلنی نے بومبونا کے رد مین بہت سی کتابین لکھین، اور اٹلی کی تمام درسگاہون مین یہ مباحث بڑے زور شور سے پھیل گئے،

بومبونا کا گروہ اسکندریین، اور ابن رشد کا گروہ، رشیدیین کے نام سے پکارا جاتا تھا، چونکہ یہ تحریک مذہب کے خلاف تھی، اس لئے سنہ ۱۵۱۲ء مین ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس نے یہ قرار دیا کہ جو شخص بقاے روح کا منکر ہو، وہ مردود ہے، یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جو لوگ ان خیالات کو پھیلاتے ہین

ان پر فرد قرارداد جرم قائم کی جائے، اور عدالت مین ان کے اظہار لئے جائین،

سولھوین صدی عیسوی مین چرچ نے علانیہ ابن رشد کی حمایت شروع کی، ہر طرف سے ابن رشد کی تصنیفات اور تراجم کی مانگ آنے لگی، لیکن چونکہ ابن رشد کی عظمت صرف اس حیثیت سے تھی کہ وہ فلسفہ ارسطو کا شارح ہے، اس لئے اب لوگون کو ارسطو کی اصلی تصنیفات کی طرف توجہ ہوئی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ارسطو کے اصلی مسائل عربی، اور لاطینی قالب مین آتے آتے کچھ سے کچھ ہو جاتے ہونگے، غرض اب اک نیا گروہ پیدا ہوا، اور اس کا نام بھی اسی صفت سے مشہور ہوا یعنی فرقہ جدیدہ ۲۸ اپریل ۱۵۹۷ء مین پروفیسر ٹامس نے پیڈوا کی یونیورسٹی مین ارسطو کی اصلی یونانی کتاب کو سامنے رکھ کر لکچر دیا، اور یہ واقعہ اس قدر عظیم الشان سمجھا گیا کہ شعرائے اس تقریب مین نظمین لکھین،

اس جدید تحریک کا یہ نتیجہ ہوا کہ یا تو ابن رشد. ارسطو کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا، یا اب وہ ارسطو کا حریف مقابل خیال کیا جانے لگا، چنانچہ فرقہ جدیدہ اپنے آپ کو یونانی اور ابن رشد کے پیرو اپنے آپ کو رشدی کہتے تھے، یونانی تصنیفات کی مراجعت نے ایک اور انقلاب یہ پیدا کیا کہ اب تک ارسطو کے فلسفہ کے سوا کسی اور فلسفہ کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، لیکن اب ایک اور فرقہ پیدا ہوا، جو افلاطون کا پیرو تھا، پیڈوا، بندقیہ، اور اٹلی کے شمالی حصون مین ارسطو کے اصلی فلسفہ کی تعلیم ہوتی تھی، اور فلارنس مین افلاطون کا فلسفہ پڑھایا جاتا تھا، غرض رفتہ رفتہ ابن رشد کے فلسفہ کا اثر بالکل جاتا رہا، سب سے آخری شخص جو ابن رشد کا پیرو تھا، قیصر کریمونینی تھا، جس نے ۱۶۳۱ء مین وفات پائی،

ابن رشد، اور نہ صرف ابن رشد، بلکہ عام طور پر یونانی اور قدیم فلسفہ کی اصلی بربادی بیکن کے ہاتھون سے ہوئی، جس کی تصنیفات ۱۵۹۷ء مین شائع ہوئین، فلسفۂ قدیم کی بنیاد قیاسات اور موہومات پر تھی، بیکن نے اس طریقہ کو بالکل ہیچ قرار دیا

اور علمی عمارت کی بنیاد مشاہدات و تجربیات کی سطح پر قائم کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج انسان نے تمام عالم کائنات پر قبضہ کر لیا ہے اور قدرت کے جو مخفی اسرار باقی رہ گئے تھے کوئی دم مین اُن پر سے بھی پردہ اٹھا چاہتا ہے،

ابن رشد کی تصنیفات اور اجتہادات پر ہم کبھی آیندہ ریویو کرینگے،

سلہ اس مضمون کے متعدد ٹکڑے الندوہ اور معارف کے حسب ذیل نمبرون مین شائع ہوے تھے، اب ان کو مسلسل کر کے ایک مضمون بنا لیا گیا ہے،

(الندوہ جلد ۱ نمبر ۳، معارف جلد ۲، عدد ۱۲، الندوہ جلد ۱ نمبر ۷، الندوہ جلد ۳ نمبر ۶)

مجددانِ اسلام

علامہ ابن تیمیہ حرانی

اسلام مین سینکڑون، ہزارون، بلکہ لاکھون علما، فضلا، مجتہدین، ائمۂ فن، مدبرین ملک گزرے، لیکن مجدد یعنی رفارمر بہت کم پیدا ہوے، ایک حدیث ہے کہ "ہر صدی مین ایک مجدد پیدا ہوگا"، اگر یہ شبتہ حدیث مان لیجائے تو آج تک کم از کم تیرہ مجدد پیدا ہونے چاہئین لیکن اس حدیث کے صادق آنے کے لئے جن لوگون کو مجددین کا لقب دیا گیا، ان میں اکثر معمولی درجہ کے لوگ ہین، یہان تک کہ علامہ سیوطی بھی اس منصب کے امیدوار ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگون نے مجدد کے رتبہ کا اندازہ نہین کیا،

مجدد یا رفارمر کے لئے تین شرطین ضروری ہین،

۱۔ مذہب یا علم یا سیاست (پالٹیکس) مین کوئی مفید انقلاب پیدا کردے،

۲۔ جو خیال اس کے دل مین آیا ہو، کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو، بلکہ اجتہادی ہو،

۳۔ جسمانی مصیبتین اٹھائی ہون، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو،

یہ شرائط، قدما مین بھی بہت کم پائے جاتے ہین، اور ہمارے زمانہ مین تو رفارمر ہونے کے لیے صرف یورپ کی تقلید کافی ہے،

تیسری شرط، اگر ضروری قرار نہ دیجائے تو امام ابو حنیفہ، امام غزالی،

امام رازی، شاہ ولی اللہ صاحب اس دائرہ مین آسکتے ہین، لیکن جو شخص رفارمر کا اصلی مصداق ہوسکتا ہے، وہ علامہ ابن تیمیہ ہے، ہم اس بات سے واقف ہین کہ بہت سے امور مین، امام غزالی وغیرہ کو ابن تیمیہ پر ترجیح ہے، لیکن وہ امور مجددیت کے دائرے سے باہر ہین، مجددیت کی اصلی خصوصیتین جس قدر علامہ کی ذات مین پائی جاتی ہین، اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے، اس لئے ہم اس عنوان کے ذیل مین علامۂ موصوف کے حالات، اور اُن کی مجددیت کی خصوصیات لکھنا چاہتے ہین،

نام و نسب و ولادت[1]

احمد نام، عرف ابن تیمیہ، تقی الدین لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے، احمد بن عبد الحلیم ابن عبد السلام بن عبد اللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبد اللہ بن تیمیۃ الحرانی، دمشق کے علاقہ مین حران ایک مقام کا نام ہے ان کے آباد اجداد وہین کے رہنے والے تھے ان کے دادا محمد بن خضر کی والدہ کا نام تیمیہ تھا، وہ نہایت قابل تھین، اور وعظ کہا کرتی تھین، علامۂ موصوف ان ہی کیطرف منسوب ہوکر، ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہین، علامہ کے خاندان مین سات آٹھ پشت سے درس و تدریس کا مشغلہ چلا آتا تھا، اور سب لوگ علم و فن مین ممتاز گزرے، علامہ کے والد عبد الحلیم، بہت بڑے عالم تھے، فن حدیث مین ان کو کمال حاصل تھا،

[1] علامہ ابن تیمیہ کے حالات، اگرچہ اکثر کتابون مین مذکور ہین، لیکن طبقات الحنابلہ مین ابن رجب حنبلی نے جو خود علامۂ موصوف کے شاگرد ہین، ان کا حال زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، ذیل ابن خلکان اور طبقات الحفاظ مین بھی مفید حالات ہین، حافظ ابن حجر نے درر کامنہ مین نہایت دلچسپ اور مفید حالات لکھے ہین، لیکن میرے پاس اس کتاب کا جو نسخہ تھا، نہایت غلط تھا، اس لیے اکثر جگہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا،

علامۂ موصوف دو شنبہ کے دن ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ مین بمقام حران پیدا ہوئے، یہ وہ زمانہ ہے کہ تاتاری، بغداد کو غارت کر کے شام کی طرف پھیل رہے تھے، اور جدھر جاتے تھے، ملک کے ملک برباد کرتے جاتے تھے، علامہ کے والد اسی پریشانی مین رات کو چھپ کر تمام خاندان کے ساتھ حران سے نکلے، الگ الگ سواری کا بندوبست نہ تھا، سب کے سب ایک گاڑی مین بیٹھے، کتابین بھی اسی گاڑی مین رکھ لین، تاتاری بھی تعاقب مین تھے، لیکن خدا نے بچا لیا اور گرتے پڑتے دمشق پہنچ گئے، یہ ۶۶۷ھ کا واقعہ ہے، اس وقت علامہ کی عمر ۶ برس کی تھی، علامہ نے والد کے اشارے سے دمشق مین علم کی تحصیل شروع کی، دس برس کی عمر نہین ہونے پائی تھی کہ نحو، صرف، ادب وغیرہ سے فراغت حاصل کی، ۱۷ برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے، فتوے دینے کے قابل ہو گئے، تصنیف و تالیف بھی اسی عمر مین شروع ہو گئی، ۲۱ برس کی عمر مین ان کے والد کا انتقال ہو گیا، وہ متعدد مدارس مین مدرس تھے، ان کے بعد، ان تمام مدرسون مین باپ کا عہدہ ان کو ملا،

علامۂ موصوف نے جن اساتذہ سے علوم کی تحصیل کی، ان کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچی ہے جن مین مشاہیر کے نام ہین، ابن ابی الیسر، کمال بن عبد، شمس الدین حنبلی، قاضی شمس الدین بن عطار الحنفی، شیخ جمال الدین بن صیرفی، مجد الدین بن عساکر، نجیب مقداد، ابن ابی الخیر، ابن علان ابوبکر ہروی، کمال عبد الرحیم، فخر الدین بن النجاری، ابن شیبان، شرف بن القواس،

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُن کے اساتذہ مین زینب بھی ہین، جو ایک فاضل خاتون تھین، ۶۸۱ھ مین دار الحدیث سکریہ مین جو خاص فن حدیث کا درسگاہ تھا پہلا درس دیا، اس درس مین بڑے بڑے علماء اور فضلا، استفادہ کی غرض سے شریک ہوئے، چنانچہ قاضی القضاۃ بہاء الدین، شیخ تاج الدین فزاری، زین الدین بن مرحل، شیخ زین الدین ابن منجا تک شریک تھے، علامہ نے صرف بسم اللہ کے متعلق اس قدر نکات اور دقائق بیان کئے کہ لوگ حیرت زدہ

[1] طبقات الحنابلہ ابن رجب،

رہ گیے تاج الدین فزاری نے یہ تقریر حرف بحرف قلمبند کی اسی زمانہ مین جامع مسجد مین جمعہ کی نماز کے بعد، قرآن مجید کی تفسیر پر ابتدا سے بہ ترتیب درس دینا شروع کیا، یہ درس اس قدر مفصل اور بسیط ہوتا تھا کہ سورۂ نوح کی تفسیر کئی برس مین تمام ہوئی،

ان کے علم و فضل کا شہرہ اس قدر عام ہوتا جاتا تھا کہ سنہ ۶۹۰ھ سے پہلے پہلے یعنی جب ان کی عمر ۳۰ برس کو بھی نہ پہنچی تھی، قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انھون نے انکار کیا،[1] ۶۹۱ھ مین حج کو گئے اور جب واپس آئے تو تمام ملک مین اُن کے فضل و کمال کا سکہ جم چکا تھا، لیکن اس حسنِ قبول کے ساتھ مخالفت کا سامان بھی جمع ہوتا جاتا تھا، اسلامی فرقون مین سے اشعری اور حنبلی آپس مین حریفِ مقابل تھے،

امام رازی نے اشاعرہ کے مذہب کو اس قدر مدلل اور روشن کر دیا تھا کہ حنبلی مذہب گویا بجھ چکا تھا، علامہ ابن تیمیہ حنبلی تھے، اور اُن کے نزدیک حنبلیون ہی کی راے صحیح تھی، اس لئے انھون نے دلیری سے ان خیالات کا اظہار کیا، سنہ ۶۹۸ھ مین[3] ایک استفتا اُن کے پاس اس کے متعلق آیا، انھون نے دو تین گھنٹہ مین اس کا لمبا چوڑا جواب لکھا جو حمویہ کے نام سے مشہور ہے، اس مین نہایت تفصیل سے اشعریین کی غلطی ثابت کی، یہ پہلا دن تھا کہ اُن کی عداوت اور مخالفت کی صدا بلند ہوئی، فقہا نے اُن سے جا کر بحث کی، لیکن قاضی امام الدین قزوینی ان کے طرفدار ہو گئے، اور کہا کہ جو شخص علامہ کے مخالف کوئی بات کہیگا، مین اسکو سزا دونگا،[4] شورش یہان تک بڑھی کہ قاضی حنفی نے منادی کرا دی کہ ابن تیمیہ فتویٰ نہ دینے پائین، لیکن حکام مین سے ایک صاحب اثر نے علامہ کی طرفداری کی، اور وہ فتنہ فرو ہو گیا،[5]

سنہ ۷۰۵ھ مین یہ فتنہ پھر بڑے زور شور سے اٹھا، یہان تک کہ شاہی حکم آیا کہ نائب السلطنت

---

[1] طبقات الحنابلہ ابن رجب [2] فوات الوفیات [3] وزکامنہ حالات ابن تیمیہ [4] طبقات الحنابلہ ابن رجب،

اقرم علما وفضلا کے مجمع مین، علامہ کا اظہار لین، غرض ۷۰۵ھ کو تمام قضاۃ اور علما ایوان شاہی مین جمع ہوے اور علامہ کو بلوا بھیجا، وہ اپنی تصنیف عقیدۂ واسطیہ ہات مین لے کر آئے، اور اس کو پڑھ کر سنایا، تین جلسون مین پوری کتاب ختم ہوئی، پھر ۷ صفر ۷۰۵ھ کو مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی اور علامہ صفی الدین ہندی، افسر مناظرہ مقرر ہوے، پھر کسی وجہ سے ان کے بجاے کمال زملکانی جو مشہور محدث تھے، اس خدمت پر مامور ہوے بالآخر سب نے تسلیم کیا کہ علامہ کے عقائد، اہلسنت کے عقائد ہین، چند روز کے بعد شاہی فرمان آیا کہ علامہ پر جو الزام لگائے گئے تھے، غلط تھے، حافظ ابن حجر نے درر کامنہ مین لکھا ہے کہ علامہ نے اقرار کیا کہ میرے عقائد، امام شافعی کے عقائد ہین،

۱۲- رجب ۷۰۵ھ کو علامہ مزی نے، بخاری کی کتاب افعال العباد کا درس جامع مسجد مین دیا، اس پر بعض شافعیون کو خیال ہوا کہ اس کا روے سخن ہماری طرف ہے، چنانچہ قاضی شافعی سے جا کر شکایت کی، قاضی نے الٹا، اسی کو قید کر دیا، علامہ ابن تیمیہ کو خبر ہوئی تو خود گئے، اور بزور اس کو قیدخانے سے چھڑا لائے، قاضی یہ سنکر قلعہ مین گئے کہ نائب السلطنت سے اس کی شکایت کرین، اتفاق سے علامہ بھی وہین موجود تھے، ردو کد گفتگو ہوئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی، بالآخر نائب السلطنت نے رفع فساد کیلئے منادی کرادی کہ جو شخص ان عقائد کا اظہار کریگا، اس کو سزا دی جائیگی،

چند روز کے بعد یہ فتنہ پھر اٹھا، امراے دربار مین سے بیبرس چاشنگیر، حکومت کا دایان ہات تھا اور وہ شیخ نصر منبجی کا نہایت معتقد تھا، شیخ نصر، علامہ ابن تیمیہ، اور ان کے عقائد کے سخت مخالف تھے یہانتک کہ بعض لوگون کو اس جرم پر قتل کرا چکے تھے، انھون نے بیبرس کو آمادہ کیا کہ علامہ دمشق سے قاہرہ میں طلب کئے جائین، چنانچہ ۲۲ رمضان ۷۰۵ھ کو علامہ ڈاک مین بیٹھکر دمشق سے قاہرہ مین آئے، اور اس کے دوسرے دن قلعہ مین دربار عام ہوا، قاضی ابن مخلوف مالکی، حکم ہو کر بیٹھے، ایک شخص جسکا نام، ابن عدلان تھا، اس نے اظہار دیا کہ ابن تیمیہ اس بات کے قائل ہین کہ خدا،

حرف اور الفاظ کے ذریعہ سے بولتا ہے، اور اس کی طرف انگلیون سے اشارہ کیا جاسکتا ہے،

یہ کہہ کر اس نے قاضی ابن مخلوق کی طرف دیکھا کہ کیا ایسا شخص قتل کا مستحق نہین ہے، قاضی صاحب نے
علامہ کی طرف خطاب کیا، علامہ نے خطبہ (لکچر) کے طریقہ پر جواب دینا چاہا، اس لئے پہلے حمد وثنا شروع کی قاضی
نے کہا جلد جواب دو، علامہ بولے کہ کیا حمد وثنا نہ کرون، قاضی نے کہا اچھا وہ بھی ہوچکی، اب تو جواب دو، علامہ
چپ رہے جب بار بار اصرار ہوا تو انھون نے کہا کہ حَکم کون ہے لوگون نے قاضی صاحب کی طرف اشارہ کیا کہ حکم وہ ہین علامہ
نے کہا یہ خود فریق مقدمہ ہین، حَکم کیونکر ہوسکتے ہین، اس پر لوگ برہم ہوئے اور علامہ کو مجلس سے اٹھا دیا علامہ
کے بھائی شیخ شرف الدین بھی اس معرکہ مین موجود تھے، وہ بھی علامہ کے ساتھ اٹھے اور ان کے منھ سے
بد دعا نکلی علامہ نے روکا اور کہا کہ یون کہو اللھم اھد ھم،

غرض قاضی مالکی کے حکم سے علامہ قلعہ کے قید خانہ مین بھیجے گئے، لیکن جب قاضی صاحب کو
معلوم ہوا تو یہان کسی کی روک ٹوک نہین، لوگ علامہ سے بے تکلف ملتے جلتے ہین، تو انھون نے
کہا ابن تیمیہ کا کفر ثابت ہوچکا ہے، اس لئے فرض تو یہی تھا کہ وہ قتل کر دیئے جاتے، لیکن کم از کم
قید خانہ کی سختی تو ضرور ہے، غرض عید کے دن، قلعہ سے منتقل ہوکر، جب یوسف مین جو نہایت
تاریک قید خانہ ہے، قید کئے گئے، اسی زمانہ مین ایک شاہی فرمان نافذ ہوا کہ جو شخص ابن تیمیہ کا
ہم خیال ہوگا قتل کر دیا جائے گا، یہ فرمان ابن شہاب محمود نے جامع مسجد مین جاکر پڑھا، حنبلی فرقہ
کے لوگ ہر جگہ سے گرفتار ہوکر آئے اور ان سے یہ اقرار لیا گیا کہ وہ شافعی العقیدہ ہین، قاہرہ مین
حنبلیون کو طرح طرح کی سزائین دی گئین کہ وہ ابن تیمیہ کے عقیدہ سے باز آئین،

عجیب بات یہ ہے کہ اس عام آشوب مین علامہ کی جس نے حمایت کی وہ شمس الدین ابن
الحریری تھے، جو مذہباً حنفی تھے، انھون نے ایک محضر لکھا جس مین یہ عبارت لکھی کہ تین سو برس سے

له دررکامنہ،

ابن تیمیہ کا کوئی ہمسر نہین پیدا ہوا، اس جرم مین شمس الدین کی معزولی کی کوشش کی گئی، چنانچہ وہ اگلے سال معزول کر دیے گئے،[1]

اتفاق یہ کہ سالار جو سلطان ناصر کا دست و بازو تھا، علامہ کی حمایت پر آمادہ ہوا، اس نے تینون مذہب کے فقہا کو جمع کیا اور خواہش کی کہ علامہ قید سے رہا کر دیے جائین، سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ اگر وہ چند شرائط قبول کرین، اور بعض عقائد سے باز آئین تو البتہ ان کی رہائی ہو سکتی ہے، چنانچہ ان شرائط کے قبول کرنے کے لیے علامہ طلب کیے گئے، لیکن وہ نہ آے، بار بار ان کو پیغام بھیجا گیا، لیکن ان کو خیال کی آزادی کے مقابلہ مین اپنا قید ہونا گوارا تھا،[2]

اس زمانہ کے واقعات کے متعلق، ایک تحریر خود علامہ کی ہماری نظر سے گذری ہے، اس کا نام مناظرۂ مصریہ ہے، اس کے دیباچہ مین لکھتے ہین کہ ۷۰۷ھ مین دو شاہی عہدہ دار میرے پاس آے کہ چل کر، علما کے سامنے اپنے عقائد کا ثبوت بیان کیجیے، مین نے کہا سال بھر سے تم لوگ میرے خلاف لوگون کے بیان سنتے رہے، اور کبھی مجھ کو جواب کا موقع نہین دیا، اب ایک دفعہ تنہا میرا بیان بھی سن لو، پھر مجمع عام مین گفتگو ہوگی، دونون عہدہ دار واپس گئے، اور یہ پیغام لائے کہ آپ کو مجبوراً چلنا ہوگا، مین نے انکار کیا، تو لوگ واپس گئے اور پھر یہ پیغام لائے کہ فلان فلان عقیدون سے باز آؤ، مین نے اس کے جواب مین یہ رسالہ لکھا،

لطیفہ، جن دنون علامہ قید مین تھے، باہر کے ایک رئیس نے علامہ کی صورت کا ایک آدمی دیکھا، متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہین، اس نے کہا ابن تیمیہ، رئیس کو نہایت تعجب ہوا اس نے ماردین کے رئیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی، رئیس ماردین نے بادشاہ مصر کو لکھا، لوگون کو نہایت حیرت ہوئی، علامہ نے اس واقعہ کو ایک ضمنی موقع پر رسالہ الفرقان مین لکھا ہے،[3] اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ غالباً جن تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی عظمت و شان نے

---

[1] درر کامنہ، [2] طبقات و درر کامنہ [3] مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۱،

اس رئیس کے دل میں ایک خیالی صورت پیدا کی، جو مجسم ہو کر نظر آئی، جن کا خیال علامہ کی وہم پرستی ہو، (جن کے وجود سے انکار نہیں، لیکن جن یہ دن صورت بدل کر، لوگوں کے پاس آیا جایا نہیں کرتے)

غرض ڈیڑھ برس تک علامہ قید خانہ میں رہے، ان کے بھائی بھی ساتھ تھے، معمول تھا کہ قیدیوں کو کھانا کپڑا حکومت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن علامہ نے عطیہ سلطانی سے بالکل انکار کیا اور فقر و فاقہ سے بسر کی،[1]

ربیع الاول ۷۰۷ھ میں مہنا بن عیسیٰ جو عرب کا مشہور رئیس تھا، مصر میں آیا، اور خود قید خانہ جا کر علامہ کو چھڑا لایا، اس کے بعد متعدد جلسے منعقد کئے اور تمام علما و فضلا کو جمع کیا، جس میں علامہ نے مسائل متنازع فیہ پر گفتگو کی، صاحب طبقات نے علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علامہ نے قتل کے ڈر سے بعض مسائل میں اتفاق کیا، لیکن صاحب وفیات نے جو علامہ کا شاگرد ہے لکھا ہے کہ علامہ نے حریفوں کو زور استدلال سے مغلوب کر لیا، بہر حال علامہ قیدخانہ سے نکل کر، درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور چند روز کے لیے اُن کو اطمینان نصیب ہوا،

سلسلۂ سخن کے اتصال سے ہم بہت دور نکل آئے، اور بیچ کے اہم واقعات جن میں علامہ نے ملکی معاملات انجام دیئے چھوٹ گئے، علامہ موصوف عام علما کی طرح فرض صرف نماز روزہ ادا کرنا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اُن کے نزدیک مہمات سیاست میں دخل دینا بھی علما کے فرائض میں داخل تھا، ۶۹۹ھ میں جب ان کی عمر ۱۸۰۹ برس کی تھی، غازان خان بن ہلاکو خان نے شام پر حملہ کیا، سلطان ناصر (بادشاہ مصر) اس کے مقابلہ کو نکلا، لیکن بڑے معرکہ کے بعد شکست کھائی، غازان خان نے آگے بڑھ کر حمص پر قبضہ کر لیا، اس کی آمد آمد کی خبر سن کر دمشق میں اس قدر بد دلی پھیلی کہ عام غارت گری شروع ہو گئی، علامہ ابن تیمیہ یہ حالت دیکھ کر خود غازان خان کے پاس گئے

[1] طبقات الحنابلہ،

اور اس سے امن کا فرمان لے کر آئے، عام لوگ تو یہ سنکر مطمئن ہو گئے، لیکن اہل فوج نے نہ مانا اور شہر کو لوٹنا شروع کر دیا، علامہ ابن تیمیہ نے شیخ الشیوخ نظام الدین محمود کو لے کر شہر کا بندوبست اور امن و امان قائم کیا، پھر غازان سے جاکر ملاقات کی، اس کے بعد تاتاری فوجین بیت المقدس وغیرہ پر پڑ چین اور ہزارون آدمی گرفتار کر لیے، علامہ سردار لشکر کے پاس گئے اور سب سے قیدیون کو جاکر چھڑا لائے۔[۱]

۶۹۹ھ مین غازان خان نے بڑے زور شور سے شام کے حملہ کی تیاری کی، قتلوشاہ اور تولائے جو اس کے سپہ سالار تھے، فوجین لے کر آگے بڑھے، یہ خبر سنکر علامہ ابن تیمیہ نے جاکر، ان سے گفتگو کی، اور ان کو اس ارادہ سے روکا، ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا، اور ہر قسم کی تیاریان شروع کین، اس وقت تو یہ فتنہ فرو ہو گیا، لیکن سال بھر کے بعد تاتاریون کا سیلاب امنڈا، اور ہر طرف تاتاری فوجین پھیل گئین۔ علامہ ڈاک مین بیٹھ کر مصر پہنچے، اور اعیان سلطنت سے مل کر، ان کو جہاد کی ترغیب دی، تمام شہر ان سے ملنے کے لئے آیا، یہانتک کہ علامہ تقی الدین بن دقیق العید، جو امام المحدثین اور قاضی القضاۃ تھے، وہ بھی تشریف لائے، مصر کے لوگون کو آمادہ کر کے، علامہ دمشق کو واپس گئے اور جہاد کی تیاریان کین۔[۲]

۷۰۲ھ مین تاتاریون نے پھر نہایت سروسامان سے شام پر چڑھائی کی، قتلوشاہ اور چوپان جو سردار فوج تھے، نوے ہزار فوج لے کر بڑھے، اس وقت شام سلطان ناصر کے قبضہ مین تھا، اس کو خبر ہوئی تو نہایت گھبرایا، ارکان دربار نے بھی ہمت ہار دی، علامہ ابن تیمیہ یہ حالات سنکر ڈاک مین شام سے مصر پہنچے، اور بادشاہ سے مل کر، نہایت بیباکی سے اس کو غیرت دلائی، اور کہا کہ اگر تم اسلام کی حمایت نہ کرو گے، تو خدا کسی اور کو بھیجیگا، جو اس فرض کو انجام دیگا، اس کے

[۱] یہ تمام واقعات تاریخ ابن خلدون مین مذکور ہین، جلد ۵ ذکر سلطنت اتراک مصر۔ [۲] فوات الوفیات،

بعد علامہ نے قرآن مجید کی یہ آیتین پڑھین،

وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم — اگر تم پیٹھ دکھاؤگے، تو خدا تمھارے بدلے اور قوم بھیجیگا، اور وہ تمھاری طرح (بزدل) نہ ہونگے،

علامہ نے جس دلیری اور بیباکی سے بادشاہ سے گفتگو کی، تمام لوگون کو حیرت ہوئی، امام تقی الدین ابن دقیق العید کو بھی ان کی جرأت اور لطفِ استنباط پر حیرت ہوئی،

علامہ کو اس سفارت مین پوری کامیابی حاصل ہوئی، سلطان ناصر شام کی طرف بڑھا اور مرج الصفر مین جس کا دوسرا نام شقحب ہے، دونون فوجین معرکہ آرا ہوئیں، بڑے زور کا رن پڑا، بالآخر تاتاریون کی تمام فوجین برباد ہوگئین، ابن تیمیہ اس معرکہ مین علامہ کے بجائے ایک بہادر سپاہی نظر آتے تھے،

غازان خان اور امراے تاتار کی سفارتون مین علامہ نے جس آزادی اور دلیری سے سفارت کی خدمت انجام دی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک دفعہ جب وہ سپہ سالار قتلوخان کے پاس ایک شخص کی دادرسی کے لئے گئے، تو قتلوخان نے استہزاء کے طور پر کہا کہ آپ نے کیون تکلیف کی آپ نے بلا بھیجا ہوتا، مین خود حاضر ہوتا، علامہ نے کہا نہین حضرت موسیٰ فرعون کے پاس جاتے تھے، فرعون حضرت موسیٰ کے پاس نہین آتا تھا،

علامہ موصوف نے شیخ محی الدین اکبر وغیرہ کے متعلق متعدد رسالون مین لکھا تھا، کہ وہ وحدت وجود کے قائل ہین، یعنی خدا اور مخلوقات سب ایک ہین، اور یہ مذہب اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، اس پر صوفیون کے گروہ نے، حاکم شافعی سے جاکر شکایت کی، اس کے فیصلہ کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی، علامہ پر جو الزامات لگائے گئے تھے، وہ غلط ثابت ہوئے، لیکن علامہ نے یہ تسلیم کیا کہ مین رسول اللہ سے استغاثہ کرنے کو ناجائز سمجھتا ہون، اس پر لوگون مین اختلاف راے پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ

سلہ ابن خلدون، اور طبقات الحنابلہ، سلہ فوات الوفیات،

اس مین کیا حرج ہے، لیکن حاکم بن جماعہ نے کہا کہ یہ خلافِ ادب ہے، فیصلہ یہ ہوا کہ مقدمہ قاضی کے پاس بھیجدیا جائے، وہ احکام شریعت کے موافق فیصلہ کردین، آخر سلطنت کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ علامہ کے سامنے دو باتین پیش کی جائین، یا تو چند شرائط کے ساتھ چھوڑ دیئے جائین، یا اگر شرائط کے قبول کرنے سے انکار ہو تو قیدخانہ گوارا کرین،

علامہ نے قیدخانہ قبول کیا، لیکن ان کے احباب نے جو دمشق سے ان کے ساتھ آئے تھے اپنی طرف سے ذمہ داری کی کہ علامہ کو وہ شرطین منظور رہین، اس بنا پر دمشق جانے کی اجازت ملی اور علامہ ڈاک مین روانہ ہوئے، لیکن دوسرے دن پھر واپس آنا پڑا، اور امرا، اور قضاۃ نے پھر ایک مجمع کیا، مختلف لوگ، مختلف رائین دیتے تھے، بعض نے قید کی رائے دی، قاضی مالکی نے کہا ان پر کوئی جرم ثابت نہین ہے، نورالدین زواوی سے لوگون نے پوچھا تو متحیر ہوئے کہ کیا جواب دین، علامہ نے دیکھا کہ ان کی وجہ سے لوگون مین اختلاف آرا ہوتا ہے، بولے کہ مین خود قیدخانہ مین جاتا ہون، زواوی نے کہا اگر قیدخانہ مین بھیجے جائین، تو وہان ان کی شان کے مناسب ان سے برتاؤ کیا جائے، لیکن اورون نے کہا، یہ نہین ہو سکتا، سلطنت اس کو منظور نہین کر سکتی، قیدخانہ مین عام قیدیون کی طرح رہنا ہوگا، غرض قیدخانہ مین بھیجے گئے لیکن احترام قائم رہا، خدام کو ان کے ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی، ہر شخص ان کے پاس آنے جانے کا مجاز تھا، چنانچہ مشکل مشکل فتوے لے کر لوگ آتے تھے، اور علامہ ان کے جواب لکھتے تھے، اکثر لوگ برکت کی غرض سے ملنے جاتے تھے، خاص انکے یاران صحبت کو بھی آزادی حاصل تھی بے تکلف اُن سے مل سکتے تھے،

سلطان مظفر کی چند روزہ سلطنت مین قاہرہ سے، اسکندریہ بھیجدیئے گئے، اور ایک وسیع

۱؎ طبقات ابن رجب سے درر کامنہ مین لکھا ہے کہ قاضی زین بن مخلوف نے ان کو نائب السلطنت سے کہکر اسکندریہ کے قیدخانہ مین بھجوایا تھا کہ کوئی ان سے ملنے نہ پائے، لیکن لطف یہ کہ جب قاضی صاحب نے یہ حکم بھجوایا تھا تو مرض الموت مین گرفتار تھے، حسن خاتمہ بغیر اس کے کیونکر ہو سکتا تھا،

خوش منظر برج مین نظر بند کئے گئے، لیکن یہان بھی ہر طرح کی آزادی حاصل تھی، نہانے کے یے حمام مین بھی جا سکتے تھے، جب دوبارہ سلطان ناصر کو غلبہ حاصل ہوا اور سلطان مظفر قتل کر دیا گیا تو سلطان نے حکم دیا کہ علامہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ قاہرہ مین بلائے جائین، چنانچہ ۹ شنبہ مین علامہ نہایت احترام کے ساتھ قاہرہ مین آئے سلطان نے دربار مین بلایا، اور جب وہ آئے تو کھڑے ہو کر تعظیم دی،

سلطان نے مجمع عام مین علامہ کی نہایت تعریف کی، جس سے غرض یہ تھی کہ لوگ ان کی مخالفت سے باز آئین، سلطان نے یہ بھی ارادہ کیا کہ علامہ کے مخالفون کو سزا دلائے، چنانچہ خود علامہ سے مشورہ کیا، لیکن انھون نے باز رکھا، ابن مخلوق جو علامہ کے قتل کے درپے تھے اس موقع پر موجود تھے، علامہ نے ان سے بھی درگذر کی، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مین نے ابن تیمیہ جیسا جوانمرد نہین دیکھا، مین نے ان کے قتل کی کوشش کی، لیکن جب مجھ پر ان کو قابو ملا تو معاف کر دیا،

مہینہ بھر کے بعد سلطان نے پھر علامہ کو طلب کیا، اور ان سے ملاقات کی، سلطان کے حسن عقیدت کی وجہ سے علامہ کا آستانہ مرجع عام بن گیا، امرا، اہل فوج، درباری سب آتے تھے، اور نہایت عزت و احترام سے ملتے تھے، لیکن بعضون کو اس قدر عناد تھا کہ اس حالت مین بھی شرارت سے باز نہ آتے تھے، ان مین ایک بزرگ فقیہ بکری تھے، انھون نے ایک دن علامہ کو اکیلا پا کر گریبان پکڑ لیا، اور کہا کہ عدالت مین چلو، مجھکو تم پر استغاثہ کرنا ہے، زیادہ شور و غل ہوا تو ادھر ادھر سے لوگ جمع ہو گئے، فقیہ صاحب بھاگ نکلے، اتفاق یہ کہ ایک مدت کے بعد کسی بات پر سلطان ان سے ناراض ہوا، اور حکم دیا کہ ان کی زبان کٹوا دیجائے، علامہ کو خبر ہوئی تو سلطان سے سفارش کی اور اتنی بات پر معاملہ ٹل گیا کہ وہ فتوے نہ دینے پائین،

۱؎ طبقات،

سنہ ۷۱۲ھ مین سلطان تاتاریون کے مقابلہ کے لئے شام کو روانہ ہوا، علامہ بھی جہاد کی غرض سے ساتھ ہوئے اور عسقلان تک ساتھ ساتھ آئے، یہان سے بیت المقدس کی زیارت کے لیے گئے، زیارت سے فارغ ہوکر سات برس کے بعد دمشق مین آئے، ان کے بھائی اور اکثر شاگرد بھی ساتھ تھے، شہر کے لوگون کو خبر ہوئی تو تمام شہر امنڈ آیا، بڑی دھوم دھام سے شہر مین داخل ہوئے، اور جن مدارس مین درس دیتے تھے، وہان درس دینا شروع کیا،

سنہ ۷۱۸ھ مین علامہ نے ثلث طلاق کے متعلق جمہور فقہا کے مخالف راے ظاہر کی، اس پر پھر ہنگامہ برپا ہوا، یہانتک کہ لوگون نے حکام سے شکایت کی، اور امن وامان قائم رہنے کی غرض سے بادشاہی فرمان صادر ہوا کہ علامہ فتوی نہ دینے پائین، شہر مین اس کی عام منادی کرادی گئی، لیکن علامہ نے کہا کہ حق کا چھپانا، جائز نہین، چنانچہ وہ عام طور پر فتوی دیتے رہے، بالآخر سلطان کے حکم سے قید کئے گئے، اور قلعہ مین بھیجدیئے گئے، ۵ مہینے کے بعد سنہ ۷۲۱ھ مین رہائی ملی، اور بدستور پڑھنے پڑھانے مین مشغول ہوئے،

لیکن جو عام ناراضی پھیل چکی تھی، اس کی آگ رہ رہ کر سلگتی اور بھڑکتی تھی، بیس برس پہلے علامہ نے ایک فتوی لکھا کہ صرف زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً ثابت نہین، یہ فتوی ایک فتنۂ خوابیدہ تھا، جس کو موقع پاکر لوگون نے جگایا، اور تمام شہر مین آگ سی لگ گئی، اٹھارہ بڑے بڑے فقہا نے علامہ کے کفر کا فتوی دیا، جن کے سرگروہ قاضی اخنائی مالکی تھے، چارون مذہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہا سے فتوی لیا گیا، سب نے بالاتفاق علامہ کی قید کا فتوی دیا[۱]، چنانچہ شعبان سنہ ۷۲۶ھ مین شاہی فرمان کی رو سے وہ دمشق کے قلعہ مین قید کر دیئے گئے، ان کے بھائی شرف الدین پر اگرچہ جرم نہ تھا، لیکن ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بھائی کو تنہا چھوڑ دین، اپنی

[۱] درر کامنہ مین حافظ ابن حجر نے اس کو سنہ ۷۱۱ھ کا واقعہ بتایا ہے [۲] طبقات،

خوشی سے قید خانے میں گئے، ۲۰ر جمادی الاولی کو قید خانہ ہی میں انکا انتقال ہوگیا، ان کے جنازہ
کی نماز قلعہ سے باہر پڑھی گئی، لیکن علامہ کو شرکت کا موقع نہ دیا گیا، مجبوراً علامہ نے قید ہی کی حالت
میں قلعہ کے اندر نماز ادا کی، چونکہ تکبیر کی آواز اندر تک آتی تھی، اس لئے نماز کے ارکان میں فرق نہ آیا،
لیکن بھائی کا بھائی کے جنازہ میں نہ شریک ہوسکنے پر سب کو رقت ہوئی، اور لوگ بہت روئے،[1]
قید کی حالت میں بھی علامہ کا پاسِ ادب ملحوظ رکھا گیا، ان کے رہنے کو بہت اچھا کمرہ دیا گیا، کمرہ ہی
میں پانی کا انتظام بھی تھا، خدمت کے لئے ایک وفادار موجود تھا، علامہ نے یہاں نہایت اطمینان
سے تصنیف وتالیف شروع کی، قرآن مجید کے حقائق پر بہت کچھ لکھا، کہا کرتے تھے، افسوس ہے جو
نکات اور حقائق، خدا نے القا کئے کبھی نہیں کئے تھے، افسوس ہے کہ قرآن کے سوا میں نے اپنی
زندگی، اور تصنیفات میں کیوں صرف کی، جس مسئلہ پر علامہ کو سزا ملی تھی، اس کے متعلق علامہ نے
نہایت مفصل مضامین لکھے، احباب اور اہلِ فتوی کو خطوط اور فتوے بھی لکھتے رہتے تھے، یہ تحریریں
ملک میں پھیلیں، تو دفعِ فساد کے لئے حکم دیا گیا کہ علامہ کے پاس قلم دوات وغیرہ کوئی چیز نہ رہنے
پائے اس کے بعد علامہ نے جو سب سے اخیر تحریر لکھی، وہ چند سطریں تھیں، جنکا مضمون یہ تھا کہ مجھ کو
اگر اصلی سزا دی گئی تو وہ صرف یہی ہے، یہ سطریں علامہ نے کوئلے سے لکھی تھیں،
اب علامہ تہمتن ذکر و عبادت، تلاوتِ قرآن، مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے،
بالآخر بیمار ہوئے اور بیس ۲۰ دن بیمار رہ کر دوشنبہ کی رات ذوقعدہ ۷۲۸ھ میں وہ آفتابِ علم دنیا کے
افق سے چھپ گیا، اور تمام عالم میں تاریکی چھاگئی،

رفتم و از رفتنِ من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

علامہ کی زندگی تک تو زمین اور آسمان ان کے دشمن تھے، لیکن جب اُن کے مرنے کی خبر

---

[1] طبقات ذکر عبد اللہ بن عبد الحلیم شرف الدین،

پھیلی تو تمام ملک پر سناٹا چھا گیا، مؤذن نے جامع مسجد کے مینار پر چڑھ کر اعلان دیا، پولس والوں نے برجوں سے منادی کی، دفعتہً تمام دکانیں بند ہو گئیں، نائب الحکومت کے پاس جا کر لوگوں نے تعزیت کی رسم ادا کی، ائمہ محدثین امام مزی وغیرہ نے غسل دیا، قلعہ میں کثرت کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہیں رہی، قلعہ سے لے کر جامع مسجد تک آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، شہر کا شہر امنڈ آیا[1]، جامع مسجد سے قلعہ تک ٹھٹ لگ گیا، جنازہ جامع مسجد میں لا کر رکھا گیا، ہجوم اور کشمکش سے بچانے کے لئے ہر طرف فوجیں متعین ہو گئیں، سب سے پہلے قلعہ میں شیخ محمد تمام کی امامت سے جنازہ کی نماز پڑھی گئی، پھر جامع دمشق میں نماز ہوئی، جب جنازہ چلا تو یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا، لوگ دور سے رومال عمامے، چادر پھینکتے تھے کہ جنازہ سے چھو جائیں تو ان کو تبرک بنائیں،

جنازہ سروں پر چلتا تھا، اور آگے بڑھ بڑھ کر کشمکش سے پیچھے ہٹ ہٹ جاتا تھا، ہرچند پہلے سے کچھ اطلاع نہ تھی، فقہا اور متقیوں نے شہر کو علامہ کا دشمن بنا دیا تھا، تاہم ڈھائی لاکھ آدمی جنازہ کے ساتھ تھے جن میں پندرہ ہزار عورتیں تھیں، رستہ میں لوگ زار زار روتے جاتے تھے، پردہ نشین عورتیں بالا خانوں اور کوٹھوں پر جنازہ کی طرف منہ کر کے نوحہ کرتی تھیں، نماز میں صف قائم نہ ہو سکی، صف سے صف اس طرح پیوستہ تھی کہ بیٹھنا تک ناممکن تھا، اسی حالت میں ایک شخص نے پکارا کہ اہلسنت کا جنازہ یوں اٹھتا ہے، اس پر مجمع کا مجمع چیخ اٹھا اور تمام فضا گونج گئی، علامہ کے بھائی زین الدین نے نماز پڑھائی اور مقبرۂ صوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین کے پہلو میں دفن ہوئے،

اس وقت ریل اور جہاز نہ تھے، لیکن تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر پھیل گئی اور ہر جگہ غائبانہ نمازیں پڑھی گئیں، مسافروں نے بیان کیا کہ چین میں ان کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی، اور منادی یہ پکارتا تھا کہ الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن[2] (مترجم قرآن کی نماز)

(الندوہ جلد ۵، نمبر ۲)

۱ فوات الوفیات ۲ یہ تمام حالات طبقات ابن رجب اور فوات الوفیات سے لیے گئے ہیں،

متنبی

الندوہ مین ہم نے اخلاقِ عرب کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جسکا صرف ایک نمبر نکل کر رہ گیا، آیندہ وہ سلسلہ پھر شروع ہوگا، لیکن اس مضمون مین بھی اس عنوان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے،

متنبی اگرچہ چوتھی صدی کا شاعر ہے، جب کہ شعراے عرب کے تمام اوصاف مٹ چکے تھے، اور جب کہ شاعری صرف مفتی اور گداگری رہ گئی تھی تاہم چونکہ متنبی کا بچپن، صحراے عرب اور بدویون مین گذرا تھا، اس لئے عرب کے بہت سے شریفانہ اخلاق اُس مین نظر آتے ہین، متنبی کا کلام درس مین داخل ہے، لیکن درس کا طریقہ ایسا ہے، جس سے طلبہ مین بجز اس کے کہ اشعار کے معمولی معنی یاد کرین، کسی قسم کی استعداد پیدا نہین ہوتی، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ متنبی کا خاص انداز کیا ہے؟ اس کے ہم عصر شعراے اُس کو کیا نسبت ہے؟ اس کی شاعری مین کیا عیوب اور کیا محاسن ہین؟ تو طلبہ ایک طرف، اکثر علما بھی اس کے جواب سے قاصر رہین گے، اس لیئے ہم نے اختصار کیساتھ اس کے کلام پر تنقید بھی کی ہے، اور یہ حصہ طلبہ اور علما کے خاص ملاحظہ کے قابل ہے،

متنبی[1] کا نام و نسب یہ ہے، احمد بن الحسین بن الحسن بن عبدالصمد جعفی کندی کوفی، کوفہ مین ایک

[1] متنبی کے حالات اگرچہ اکثر تذکرون مین ملتے ہین، لیکن خزانۃ الادب (جلد اول ص ۳۸۲) مین نہایت مستند[illegible]

محلہ تھا جس کو کندہ کہتے تھے متنبی اسی محلہ مین سنہ ۳۰۳ھ مین پیدا ہوا، اسی محلہ مین ایک مکتب تھا جس مین شرفاے کوفہ کی اولاد تعلیم پاتی تھی، متنبی نے اسی مکتب مین تعلیم پائی، اس زمانہ تک مکاتب مین ادب، شعر اور لغت کی تعلیم ہوتی تھی، متنبی نے بھی یہی فنون حاصل کیے،

شباب کا ابھی آغاز بھی نہین ہوا تھا کہ اُس کا باپ اُس کو لے کر عرب چلا گیا، اور ایک مدت تک مختلف قبیلون مین دورہ کرتا رہا، خلفاے بنو امیہ کے ہان دستور تھا کہ بچپن ہی مین اولاد کو قبائلِ عرب کے یہان بھیج دیتے تھے تاکہ اُن مین دلیری، آزادی اور زور تقریر کے وہ جوہر پیدا ہون جو صحرا نورد عربون کا خاصہ ہے، متنبی کو خوش قسمتی سے یہ موقع ہاتھ آیا، اور اُس کی سوانح مین عزم اور بلند ہمتی کے جو آثار نظر آتے ہین اسی تربیت کے نتائج ہین،

متنبی فطرۃً شاعر تھا، بدویون مین رہ کر یہ ملکہ اور راسخ ہو گیا، اُس نے ہوش سنبھالنے کے ساتھ شعر کہنا شروع کر دیا تھا، اور چونکہ عام عرب کے انداز کے خلاف، اسکی طبیعت مضمون آفرینی اور نازک خیالی کی طرف مائل تھی، اُس کو اپنا کلام، تمام شعرا سے ممتاز نظر آتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے نبوت کا دعوی کر دیا اور اپنے اشعار کو معجزہ قرار دیا، سوانح متنبی مین لکھا ہے کہ اُس نے قرآن کے جواب مین ایک کتاب بھی لکھی تھی، چنانچہ اُس کے چند فقرے یہ ہین،

والنجم السیار، والفلک الدوار، واللیل والنہار، ان الکافر لفی اخطار

امض علی سنتک واقف اثر من کان قبلک من المرسلین فان اللہ قامع بک

زیغ من الحد فی الدین وضل عن السبیل،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ،،) سے اس کے حالات لکھے ہین، ایک مستقل کتاب بھی اس کی سوانح عمری مین لکھی گئی ہے، جو شرح دیوان متنبی کے حاشیہ پر مصر مین چھاپی گئی ہے، اور جس کا نام ''الصبح المنبی'' ہے،

ابو العلاء معرّی اور عبد اللہ بن المقفع کی نسبت بھی یہ مشہور ہے کہ انھون نے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ سب یارون کے لطیفے ہین، جو گرمیِ محفل کے لیے تصنیف کر لیے گئے ہین، متنبی اور عبد اللہ بن المقفع لا مذہب اور بے دین سہی لیکن بد مذاق اور بے تمیز نہ تھے کہ ایسے متبذل کلام کو کلام الٰہی کے سامنے پیش کرتے،

بہرحال متنبی نے صحراے سماوہ مین نبوت کا دعویٰ کیا، اور قبیلۂ بنی کلب وغیرہ اس کے مرید ہو گئے، جب یہ فتنہ زیادہ بڑھا تو امیر لولو نے جو سلطنتِ اخشیدیہ کی طرف سے حمص کا گورنر تھا، متنبی کو گرفتار کر کے قید خانہ بھیجدیا، مدت کی قید کے بعد متنبی نے توبہ کی اور قید خانہ سے نجات پائی، اب اس نے شاعری کو ذریعۂ معاش قرار دیا، امرا اور اغنیا کی شان مین قصائد لکھتا اور انعام حاصل کرتا تھا، ایک مدت تک اس کے اشعار بہت سستے دامون بکتے تھے یہانتک کہ ایک قصیدہ پرجس کا یہ مطلع تھا،

ایا لائمی ان کنت وقت اللوائم　　علمت بما بی بین تلک المعالم

سو اشرفیان ملین، اور یہ پہلا دن تھا کہ متنبی کی شہرت نے پر پرواز نکالے،

اس زمانے مین مصر و شام مین جو فرمانروا تھے، ان مین سب سے زیادہ نامور سیف الدولہ تھا، وہ عربی النسل اور حمدان کے خاندان سے تھا، ایشیاے کوچک مین اس وقت تک قیصرِ روم کی سلطنت قائم تھی، سیف الدولہ اکثر اس پر حملہ آور ہوتا تھا، اور کامیاب آتا تھا، بعض معرکون مین اس نے رومیون کی ہزارون فوجین برباد کر دین، اس کے ساتھ علم و فضل کا بڑا قدردان تھا، اور خود نکتہ سنج اور نکتہ دان تھا، مورخین نے لکھا ہے کہ شعرا اور مصنفین جسقدر اس کے دربار مین جمع ہوے ہارون الرشید اور مامون الرشید کے سوا اور کسی کے دربار مین ایسا مجمع نہین ہوا، حکما مین فارابی اور مصنفین مین صاحب اغانی اسی کے دربار سے فیضیاب تھے،

سلہ ابن خلکان

سیف الدولہ کے امرا مین ابو العشائر ایک قدر دان امیر تھا، متنبی نے اُس کی مدح مین قصیدے لکھے، اور اُس کو اس قدر اپنا گرویدہ کر لیا کہ اس نے ۳۳۷ھ مین سیف الدولہ کے دربار مین سفارش کی، متنبی اب اس رتبہ پر پہنچ گیا تھا کہ بلند ہمتی اور خودداری کے اوصاف جو اُس نے عرب سے سیکھے تھے، ان سے کام لے، چنانچہ سیف الدولہ کے دربار مین جانے کے لیے اس نے چند شرطین پیش کین، جن مین سے ایک یہ تھی کہ دربار مین بخلاف اور شعرا کے، بیٹھ کر قصیدہ پڑھیگا، سیف الدولہ نے اس کا کلام سنا تو کہا کہ بے شبہہ متنبی کو ایسی شرطون کے پیش کرنے کا استحقاق تھا، سیف الدولہ نے یہ دیکھ کر کہ متنبی مین سپہگری کے جوہر بھی پائے جاتے ہین، اس کو سپہگری کے فنون سکھلائے، چنانچہ حلب مین اساتذۂ فن کے سپرد کیا، کہ شہسواری اور نیزہ بازی کے کرتب سکھائین، سیف الدولہ ایشیائے کوچک پر جو حملے کرتا تھا، متنبی اکثر اس مین شریک ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ معرکۂ جنگ کی تصویر جس طرح وہ کھینچ سکتا ہے، اس کے معاصرین سے نہین کھنچ سکتی،

سیف الدولہ اگرچہ متنبی کی قدردانی مین کوئی کمی نہین کرتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ جب اس نے دریافت کیا کہ متنبی کو دفتر انعام سے کس قدر رقم دی جا چکی ہے تو معلوم ہوا کہ چار برس کی مدت مین سینتیس ۳۵ ہزار اشرفیاں اُس کو مل چکی ہین، تاہم وہ متنبی کی بے حد خود پرستی اور غرور سے تنگ آگیا تھا، اس لیے اس کے غرور توڑنے کے لئے وہ اکثر دربار کے اور شعرا کو متنبی کے مقابلہ کا حوصلہ دلاتا رہتا تھا، متنبی کو یہ سخت ناگوار ہوتا تھا، اس کے سوا ناراضی کے اور اسباب بھی جمع ہوتے جاتے تھے، متنبی کے آنے سے پہلے، سیف الدولہ کے دربار مین ابو العباس نامی شاعر بڑا رسوخ رکھتا تھا، لیکن متنبی کی سحر کاریون نے اُس کا رنگ پھیکا کر دیا، ایک دن تنہائی مین ابو العباس نے اُس کی شکایت کی، سیف الدولہ چپ رہا، جب ابو العباس نے زیادہ اصرار کیا تو سیف الدولہ نے کہا تم متنبی کا مقابلہ نہین کر سکتے، کیا تم متنبی کے اس شعر کا جواب کہہ سکتے ہو؟

يعود من كل فتح غير مفتخر — وقد اعد عليه غير محتفل

وہ فتح پر فتح حاصل کرتا ہو لیکن اُسکو غرور نہین پیدا ہوتا — حالانکہ جب لڑائی کیلئے چلا تھا تو کچھ تیاری بھی نہین کی تھی

ابو العباس برہم ہو کر اٹھا، اور اُس کو یقین ہو گیا کہ متنبی کے آگے اُس کا چراغ نہین جل سکتا،

اس سے بڑھ کر یہ کہ امیر ابو فراس جو سیف الدولہ کا بھائی اور بہت بڑا شاعر تھا، متنبی کی نخوت پرستی سے ناراض ہو کر سیف الدولہ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ اس مغرور کو تین ہزار دینار سالانہ دیتے ہین، حالانکہ اس تنخواہ مین بیس شاعر اس درجہ کے ملسکتے ہین، غرض دربار کا دربار متنبی کا مخالف ہو گیا اور سب نے سیف الدولہ کے کان بھرنے شروع کیے، آخر سیف الدولہ نے ناراضی کا اظہار کیا، اس موقع پر اگر کوئی ایرانی شاعر ہوتا تو اس حد تک خوشامد اور غلامانہ تملق کرتا کہ خواہ مخواہ ممدوح کا دل نرم ہو جاتا، لیکن ایک عرب کا شاعر ایسا نہین کر سکتا تھا، متنبی نے ایک پر زور قصیدہ لکھا جس مین نہایت آزادی اور دلیری سے سیف الدولہ کی ناقدردانی و ناانصافی اور اپنی بلند قدری اور خودداری ظاہر کی، اس قصیدہ کے جستہ جستہ اشعار سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہین،

ہم ان مین سے چند اشعار کا ترجمہ درج کرتے ہین،

اے سب سے زیادہ عادل، (بجز میرے معاملہ کے) — تیرے ہی بارہ مین نزاع ہی، اور تو ہی دشمن، اور تو ہی ثالث ہے

آدمی کو آنکھ سے کیا حاصل، — اگر اُسکو تاریکی اور روشنی مین فرق نہ معلوم ہو

(یعنی سیف الدولہ کو نیک و بد کی تمیز نہین)

مجھ کو، گھوڑے، راتین، صحرا، تلوار، نیزے — اور کاغذ و قلم سب پہچانتے ہین،

کاش یہ بادل (سیف الدولہ) جہان برستا ہو — وہین جا کر گرجتا بھی

(یعنی جنپر مہربانی کرتا ہے، اُنہی پر ناراض بھی ہوتا)

اس قصیدہ پر تمام دربار برہم ہوا، یہان تک کہ ایک شخص نے سیف الدولہ کی زبان سے ابوالعشائر کے پاس کہلا بھیجا کہ متنبی نے یہ گستاخیان کین، ابوالعشائر نے دس آدمی اس غرض سے روانہ کیے کہ متنبی کو اس کی سزا دین۔ سیف الدولہ کے آستانہ پر متنبی سے اور ان سے مٹ بھیڑ ہوئی ایک نے متنبی کی باگ پر ہاتھ ڈالا۔ متنبی نے تلوار کا ہاتھ مارا جو کمان کو کاٹ کر ہاتھ تک پہنچا اور وہ شخص زخمی ہو کر گرا۔ اب سب نے مل کر تیر برسائے لیکن متنبی لڑ بھڑ کر نکل آیا۔

غرض ۳۴۶ھ مین متنبی حلب سے جو سیف الدولہ کا پایۂ تخت تھا، نکلا، اور دمشق مین آیا، دولتِ عباسیہ کے ضعف سے ملک مین ہر طرف خود مختار حکومتین قائم ہوگئی تھین جو برائے نام دربارِ خلافت سے اپنا تعلق ظاہر کرتی تھین، انہی مین مصر کی سلطنت تھی جس کا فرمانروا اس وقت کافور ایک خواجہ سرا تھا، اسلام نے غلامون کو جو رتبہ دیا اس کے نتائج مین ایک یہ بھی تھا کہ مصر و شام کی وسیع حکومت ایک حبشی غلام کے قبضۂ اقتدار مین تھی، اور اس کا خطبہ حرمین مین پڑھا جاتا تھا، کافور پہلے نہایت ادنی درجے کا غلام تھا، چونکہ نہایت کریہ المنظر اور عجیب الہیئۃ تھا، راہ چلتے لوگ اس کو چھیڑتے تھے، رفتہ رفتہ والیِ مصر ابوبکر بن طغج کی خدمت مین پہنچا، جس کو دربارِ خلافت سے اخشید کا لقب ملا تھا، ابوبکر کے مرنے پر کافور نے اس قدر اقتدار حاصل کر لیا کہ اس کا جانشین بنگیا، اور جب تک زندہ رہا بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ مصر و شام و حجاز، نجد و یمن مین اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا،

متنبی مداحی اور بھیٹی سے بالطبع متنفر تھا، وہ چاہتا تھا کہ کسی صوبہ یا ضلع کی حکومت مل جائے تو آزادانہ زندگی بسر کرے، اسی توقع پر وہ کافور کے دربار مین حاضر ہوا، پہلا قصیدہ جو ۳۴۶ھ مین اس نے کافور کے سامنے پڑھا اس کا مطلع یہ ہے،

کفیٰ بک داءً ان تری الموت شافیا | وحسب المنایا ان یکن امانیا

کافور نے مختلف موقعون پر اس کو گران بہا صلے دیے، لیکن اس کی بلند نظری کو ان چیزون سے تسلی نہین ہو سکتی تھی، اس نے اکثر قصیدون مین اس خیال کو ظاہر کیا، ایک قصیدہ کا خاتمہ یہ ہے

فارحل فما اردت مني فاني   اسد القلب آدمي الرواء

جو خدمت چاہے میرے سپرد کر   کیونکہ مین آدمی کی صورت مین شیر ہون

وفؤادي من الملوك وان كا   ن لساني من الشعراء

میرا دل بادشاہون کا دل ہے،   گو میری زبان شاعرون کی ہے،

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے،

ابا المسك هل في الكاس فضل انا له   فاني اغني منذ حين وتشرب

اے کافور! پیالہ مین کچھ باقی بھی ہے، جو میرے کام آئے   بڑی دیر سے مین گا رہا ہون اور تو پی رہا ہے،

وهبت على مقدار كفي زماننا   ونفسي على مقدار كفك يطلب

تو نے جو دیا وہ زمانہ کے ہاتھون کے اندازہ سے دیا   لیکن مین تو تیرے ہاتھ کے اندازہ سے چاہتا ہون

اذا لم تنط بي ضيعة او ولاية   فجودك يكسوني وشغلك يسلب

اگر تو نے مجھکو کوئی جاگیر یا کہین کی حکومت نہ دی   تو تیری سخاوت مجھکو کپڑے پہنائیگی اور دربار کی حاضری اس کو چھین لیگی

کافور متنبی کی درخواست کو منظور کر لیتا، لیکن متنبی کی بلند حوصلگیون کا اس کو جو تجربہ ہوا اس نے یقین دلایا کہ متنبی کی حوصلہ مندی کی یہ ابتدائی منزلین ہین، ورنہ وہ سلطنت اور حکومت کے بغیر چین نہین لے سکتا، متنبی کو جب اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا تو اس نے کافور کے دربار مین جانا چھوڑ دیا اور ہر طرح کے تعلقات ترک کر دیئے، ایک رشاہی دربار مین اس قسم کی گستاخی بہت بڑا جرم تھی، کافور نے متنبی کو سزا دینی چاہی، جسکی ابتدا یہ تھی کہ متنبی پر پہرے بٹھا دیے گئے کہ بھاگ کر نکل نہ جانے پائے، سوانح متنبی مین لکھا ہے کہ جب کافور نے متنبی کو شہر

پہنچانے کا ارادہ کرلیا، اور اس کی جان معرضِ خطر مین آگئی تو بعض شخصون نے ہمدردی کے لحاظ سے متنبی کو اس حال سے مطلع کردینا چاہا، لیکن کافور کے خوف سے یہ جرأت نہ کرسکے، متنبی نے آخر تنگ آکر کافور کی ہجو لکھی جس کے دو شعر یہ ہین،

صار الخصی امام الآبقین بہا — فالحر مستعبد والعبد معبود

یہان ایک خواجہ سرا، فراری غلامون کا امام ہے — آزاد، غلام بن گئے ہین اور غلام معبود بن گیا ہے،

ماکنت احسبنی ابقی الی زمن — یسئی لی فیہ کلب وھو محمود

مین یہ نہین خیال کرتا تھا کہ مین ایسا زمانہ دیکھونگا — جس مین ایک کتا مجھکو ستائے اور پھر مجھکو اسکی تعریف کرنی پڑے

سلاطین اور امراسے ناراض ہوکر ہجو لکھنا ایشیائی شعرا کا عام شعار تھا، اور یہ ایشیائی شاعری کے چہرہ کا بڑا بدنما داغ ہے، فردوسی نے محمود کے تمام احسانات اور کارنامون کو یہ کہکر مٹا دیا،

پرستار زادہ نیاید بکار — وگر چند دارد پدر شہریار

تاہم متنبی مین اس قدر شرافت کی ادا نظر آتی ہے کہ گو وہ اکثر امرا اور ہمعصرون سے ناراض ہوا، لیکن ہجو صرف انہی کی لکھی جو ہجو کے قابل بھی تھے، سیف الدولہ سے بھی وہ ناراض ہوا، اور یہ ناراضی بجا بھی تھی، تاہم اس نے بجز ایک دوستانہ شکایت آمیز قصیدے کے ایک حرف بھی اس کی شان مین نہین کہا،

متنبی نے سمجھ لیا تھا کہ ہجو کے بعد مصر مین رہنا آسان نہین، چنانچہ اس نے پہلے سے تیاریان کر رکھی تھین، جس راستہ سے سفر کرنا تھا، آدمی بھیجکر جابجا زمین کے نیچے نیزے اور ہتھیار دبوا دیئے، جان نثار غلامون کو مسلح کیا، دس دن کی خوراک کے موافق اونٹون پر پانی کے مشکیزے رکھوا لیے، یہ سب سامان کرکے عین عید کے دن ۳۵۰ھ مین مصر سے نکلا، کافور کو یہ خبر لگی تو فوراً ہر طرف

تاکہ بندیاں کرادیں، تمام عرب قبائل کے پاس قاصد دوڑا دیے کہ متنبی جہاں ملے گرفتار کرکے بھیجدو، یہ سب کچھ ہوا لیکن متنبی دو دو منزلہ سہ سہ منزلہ طے کرتا ہوا لڑتا بھڑتا صاف نکل گیا، راہ میں اس کے غلاموں نے بیوفائی کی، اس نے ان کو بھی چھوڑا اور جریدہ و تنہا تمام منزلیں طے کیں، کوفہ میں پہنچکر ایک طویل قصیدہ لکھا جس میں سفر کے تمام حالات اور راستہ کے مقامات نہایت تفصیل سے بیان کیے، چنانچہ مقامات کے نام گنا کر فخریہ لکھتا ہے،

فلما انخنا رکزنا الرما ح فوق مکارمنا والعلا

جب ہم سواری سے اترا تو نیزوں کو بلند ہمتی اور شرافت کی سطح پر گاڑا

وبتنا نقبل اسیافنا ونمسحہا من دماء العدا

اور تلوار کو بوسے دیے اور دشمنوں کے خون کے دھبے مٹائے،

لتعلم مصر ومن بالعراق ومن بالعواصم انی الفتی

تاکہ مصر اور عراق اور عواصم کو معلوم ہو جائے کہ میں مرد ہوں،

کوفہ سے متنبی نے بغداد کا رخ کیا، بغداد اس زمانے میں دیلمیوں کے زیر اثر تھا اور مہلبی جو معز الدولہ کا وزیر تھا، سیاہ و سپید کا مالک تھا، متنبی اس کے دربار میں حاضر ہوا اتفاق سے اس وقت ابو الفرج اصفہانی (مصنف کتاب الاغانی) بھی موجود تھا، علمی چرچے ہو رہے تھے کہ کسی نے یہ شعر پڑھا،

سقی اللہ امواھا عرفت مکانھا جدا ما و ملکوما و بذر افابغرا

متنبی نے کہا جدا ما نہیں بلکہ جدابا صحیح ہے، ابو الفرج اصفہانی نے اس سے انکار کیا، متنبی دوسرے دن دربار میں گیا، تو مہلبی منتظر تھا کہ مدحیہ قصیدہ لکھکر لایا ہوگا، لیکن متنبی اس درجہ کے لوگوں کی مداحی کو عار سمجھتا تھا، تیسرے دن بھی جب متنبی دربار میں خالی

سلہ خزانۃ الادب صفحہ تذکرۂ متنبی،

ہاتھ گیا تو مہلبی کو نہایت رنج ہوا، اس نے شعرا کو اشارہ کر دیا کہ متنبی کی خبر لیں، چنانچہ شعرا نے ہجو دن کا طومار لگا دیا، لیکن متنبی خبر تک نہ ہوا، اور جب لوگون نے کہا کہ آپ کی طرف سے بھی جواب ہونا چاہیے تو اس نے کہا کہ مین پہلے کہہ چکا ہون،

واذا اتتک مذمتی من ناقص　　　فھی الشہادۃ لی بانی کامل،

جب کم درجہ کے لوگ میری برائیان بیان کرین　　　تو یہی دلیل ہے کہ مین کامل ہون

بغداد کی ناقدردانی دیکھکر متنبی نے یہان سے بھی نکلنے کا ارادہ کیا، بغداد چھوڑ کر اہل فن کا کہین ٹھکانا تھا تو فارس و شیراز تھا، جو عضد الدولہ کا پایۂ تخت تھا، عضد الدولہ اس زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اور اسی وجہ سے شاہنشاہ کہلاتا تھا، اس کے درباریون مین محمد بن العمید بڑے پایہ کا شخص تھا، خود صاحب علم و فن، اور علم و فن کا نہایت قدردان تھا، اس کو جب یہ خبر لگی کہ متنبی نے فارس کا رخ کیا ہے تو اس کو بڑا تردد پیدا ہوا کہ اگر متنبی نے مہلبی کی طرح مجھکو قابل خطاب نہ سمجھا تو میری بڑی تحقیر ہوگی، پیشبندی کے طور پر جب متنبی کا ذکر آتا تو حقارت سے نام لیتا تھا، الصبح المنبی مین لکھا ہے کہ ایک دن ابن العمید کے درباریون مین سے ایک شخص اس کے دربار مین گیا تو دیکھا کہ وہ سر جھکائے ہوئے مغموم بیٹھا ہے، درباری نے پوچھا کہ حضور کیون متفکر ہین ابن العمید نے کہا کہ میری بہن کے انتقال مین کچھ اوپر ساٹھ خط تعزیت کے آئے ہین، ہر خط متنبی کے اس شعر سے شروع ہوتا ہے،

طوی الجزیرۃ حتی جاءنی خبر　　　فزعت فیہ بآمالی الی الکذب

ایسے شخص کی شہرت کو مین کیونکر مٹا دون،

متنبی نے اگرچہ مختلف موقعون پر یہ خیال ظاہر کر دیا تھا کہ مین بادشاہون سے نیچے نہین اترتا، اور اسی بنا پر اس نے مہلبی کی مدح سے انکار کر دیا تھا، لیکن ابن العمید کے متعلق اس کو

اپنی ضد سے باز آنا پڑا، ابن العمید دولت و حشمت، جاہ و جلال، انتظام و تدبر کے لحاظ سے تو جو کچھ تھا تھا ہی علم و فضل مین بھی وہ متنبی کا ہمسر بلکہ بعض حیثیتون سے بڑھکر تھا، علماے ادب کا اتفاق ہے کہ انشا پردازی اور نثاری مین تمام اسلامی دنیا مین اس کا جواب نہ تھا، یہ مشہور فقرہ ہے کہ انشا پردازی عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہوگئی، صاحب بن عباد جو فن ادب کا ایک رکن ہے ابن العمید ہی کا تربیت یافتہ ہے، اس کے علاوہ وہ فلسفہ اور حکمت مین کمال رکھتا تھا، اس لیے متنبی نے اگر اس کی مداحی گوارا کی تو کچھ بیجا نہ کیا، تاہم مداحی مین یہ آن قائم رکھی کہ مدح امیرانہ انداز سے نہین کی، بلکہ اس کے علمی اوصاف بیان کئے، بخلاف اس کے شعراے عجم کسی شاعر یا مصنف کی بھی مدح کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ سکندر و دارا کی داستان سنا رہے ہین،

بہرحال متنبی نے ارجان کا رخ کیا، جہان ابن العمید قیام پذیر تھا، شہر سے باہر ایک جگہ ٹھہر کر اپنے غلام کو بھیجا کہ ابن العمید کو جاکر خبر کرے، یہ دوپہر کا وقت تھا اور ابن العمید خواب راحت کرنا چاہتا تھا کہ یہ مژدہ پہنچا، بے ساختہ اٹھ بیٹھا اور نہایت استعجاب سے پوچھا کہ کیا، واقعی متنبی یہان آگیا، اسی وقت استقبال کے لئے اپنے خاص حاجب کو بھیجا، حاجب سوار ہوا تو راہ مین جو لوگ ملتے گئے سب کو ساتھ لیتا گیا، متنبی بڑے سروسامان سے شہر مین داخل ہوا، دربار مین آیا تو ابن العمید نے سروقد تعظیم دی، متنبی کے لئے پہلے سے ایک کرسی بچھا دی گئی تھی، جس پر کمخواب کا گدا پڑا ہوا تھا، ابن العمید نے کہا مین آپ سے ملنے کا بہت مشتاق تھا، معمولی بات چیت کے بعد متنبی نے آستین سے ایک کاغذ نکالا، اور یہ قصیدہ پڑھا،

بادِ هواكِ صبرتِ او لم تصبرا　　وبكاكِ ان لم يجر دمعكِ او جرى

تشبیب کے بعد مدح کے بعض اشعار یہ ہین،

من مبلغ الاعراب عنى اننى　　شاهدتُ رسطاليس والاسكندرا

بدویوں سے یہ پیغام کون جاکر کہے گا — کہ میں نے ارسطو اور سکندر دونوں کو دیکھا

وسمعت بطلیموس دارس کتبہ — متملکا متبدیا متحضرا

میں نے بطلیموس کو درس دیتے سنا — جو فرمانروا بھی ہے، بدوی بھی ہے، شہری بھی ہے

ابن العمید نے متنبی کی شاگردی اختیار کی، یعنی مجموعۂ لغت جو متنبی نے خاص اپنی تحقیق اور تفحص سے مرتب کیا تھا، اس سے پڑھا،

ابن العمید نے خلعت و تحائف کے علاوہ پچاس ہزار اشرفیاں متنبی کی نذر کیں[1]، متنبی ارجان ہی میں تھا کہ عضد الدولہ کو یہ خبر پہنچی، اس لئے ابن العمید کو لکھا کہ متنبی کو یہاں بھیج دو، ابن العمید نے یہ پیغام متنبی سے کہا، اس نے کہا، عجمی میری قدر کیا جان سکتے ہیں، ابن العمید نے کہا عضد الدولہ مجھ سے ہر بات میں بڑھ کر ہے، متنبی نے کہا میں بادشاہوں کی ملاقات سے تنگ آگیا ہوں، میں ان کو بقائے دوام کا تاج پہنا دیتا ہوں، اور وہ مجھ کو صلہ میں ایسی چیزیں دیتے ہیں، جو چار دن بھی نہیں ٹھہرتیں، اس کے علاوہ میں ایک جگہ جم کر قیام نہیں کر سکتا، اور سلاطین مجھ کو قیام پر مجبور کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی بے لطفی سے مجھ کو قطع تعلق کرنا پڑتا ہے، ابن العمید نے تمام باتیں عضد الدولہ کو لکھ بھیجیں، وہاں سے جواب آیا کہ متنبی کو ہر بات کا پورا اختیار ہے، غرض متنبی ارجان سے روانہ ہوا، شیراز کو جب بارہ ۱۲ میل باقی رہ گئے، تو عضد الدولہ نے ابو عمر صباغ کو متنبی کی پیشوائی کے لیے بھیجا، دونوں ساتھ ساتھ آئے، صباغ کی فرمائش پر متنبی نے راہ میں قصیدۂ عصریہ کے اشعار سنائے، متنبی کے لیے پہلے ایک آراستہ مکان تیار رکھا گیا تھا، سفر کی تکان مٹنے کے بعد وہ عضد الدولہ کے دربار میں گیا، اور عضد الدولہ کے تخت شاہی کے متصل دربار کے قاعدہ کے موافق پا انداز کو بوسہ دیا، پھر سرو قد کھڑا ہوا، اور

[1] یہ پوری تفصیل خزانۃ الادب میں ہے،

کہا کہ مین اس سواری کا ممنون ہون جو مجھ کو یہان تک لائی، عضد الدولہ نے گرمجوشی سے سفر کے حالات پوچھے، متنبی نے مناسب جواب دیا،

چند روز کے بعد مدحیہ قصیدہ دے کر گیا اور چاہا کہ دربار کے دستور کے موافق کھڑے ہو کر پڑھے، لیکن عضد الدولہ نے بٹھا لیا، متنبی قصیدہ پڑھ کر چلا آیا تو عضد الدولہ نے کافور، عنبر، مشک، عود، اسپ خاصہ جو پچاس ہزار بکریون کے عوض مین خریدا گیا تھا، کمخواب کے استر کی چادر، عمامہ جس کی قیمت پانچہزار دینار تھی، ہندوستانی مرصع تلوار جس کا پرتلا سونے کا تھا، ان سب کے علاوہ روپیون کے توڑے، صلے مین بھیجے، ایک موقع پر جب اس نے گل افشانی کے جشن مین یہ شعر پڑھے،

قد صدق الورد فی الذی زعما ۔۔۔ انک صیرت نثرہ دیما

کانما مایج الھواء بہ ۔۔۔ بحر حوی مثل مائہ عنما

تو شاہانہ خلعت عطا کیا،

متنبی نے اگرچہ عضد الدولہ کی مدح مین بہت کچھ زور طبیعت صرف کیا، لیکن سیف الدولہ کے علمی دربار مین جن حریفون کا اس کو مقابلہ رہتا تھا، اس پایہ کے لوگ، عضد الدولہ کے دربار مین کہان سے آسکتے تھے، اس لئے کلام مین وہ زور نہ پیدا ہو سکا، عضد الدولہ نے اس تنزل کو محسوس کیا، چنانچہ لوگون سے کہا کہ متنبی کا زور کلام اسی وقت تک رہا جب تک وہ عرب مین تھا، متنبی نے سنا تو کہا کہ جیسے مخاطب ہوتے ہین ویسا ہی شعر بھی کہا جاتا ہے،

تاہم عضد الدولہ نے قدردانی مین کچھ کمی نہین کی، سوانح متنبی مین لکھا ہے کہ متنبی کو دو لاکھ درہم صلہ مین عطا کئے، آخر متنبی کا دل یہان سے بھی اچاٹ ہوا، ایک وداعی قصیدہ لکھا اور عضد الدولہ سے رخصت ہو کر کوفہ کو روانہ ہوا، اہواز پہنچکر مقام کیا، راہ مین بارش کی وجہ سے اسباب اور کپڑے نم ہو گئے تھے، صندوق کھلوا کر کپڑے دھوپ مین پھیلا دیئے، ابوالحسن

سوسی کا بیان ہے کہ مین اس وقت موجود تھا، رنگین اور بیش بہا کپڑے میدان مین پھیلائے گئے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف چمن زار کھل گیا ہو،

متبنی کی دولتمندی کی خبر عام ہوئی تو بدویون کا سردار فاتک اسدی آیا، اور متبنی سے کہا کہ آگے راستہ بہت پر خطر ہے، اگر ارشاد ہو تو میرے قبیلہ کے آدمی حضور کے ہمراہ جائین، حضور ان کو کچھ انعام دلا دین، متبنی کو اپنی شجاعت وسپہگری پر ناز تھا، اس کے ساتھ وہ نہایت بخیل اور حریص بھی تھا، تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا، اور کہا کہ جب تک یہ میرے ہاتھ مین ہے مین آسمان کے نیچے کسی کی پروا نہین کرتا، فاتک اٹھ کر چلا آیا، اور ساٹھ ستر آدمی لے کر ایک کمین گاہ مین چھپ کر بیٹھا، متبنی سامنے سے گذرا، تو دفعۃً حملہ آور ہوا، متبنی دیر تک لڑتا رہا، لیکن ایک آدمی جماعتِ کثیر کا کیا مقابلہ کرسکتا تھا، شکست کھائی اور چاہا کہ جان بچا کر نکل جائے، متبنی کے غلام نے کہا کہ آپ کا وہ شعر کیا ہوا،

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی — والحرب والضرب والقرطاس والقلم

مجھکو گھوڑے، راتین، صحرا — جنگ وجدل، کاغذ اور قلم سب پہچانتے ہین،

متبنی نے کہا ہان خوب یاد دلایا، یہ کہکر پلٹا اور لڑکر مارا گیا،

اس قسم کا موقع ایران کے مشہور شاعر انوری کو بھی پیش آیا تھا، یعنی راستہ مین چورون نے آلیا تھا، انوری کے ساتھ ایک درزی اور ایک حکیم صاحب بھی تھے، سب جان بچا کر بھاگے، انوری نے اس واقعہ کو خود لکھا ہے، اور معذرت یہ کی ہے کہ

حکیم وشاعر ودرزی چگونہ جنگ کنند

بعض مورخون نے لکھا ہے کہ فاتک اسدی کی دشمنی کی یہ وجہ تھی کہ متبنی نے قبیلہ بنو ضبہ کی ہجو لکھی تھی، بہر حال جو کچھ ہو فاتک کی ناقدردانی نے ایک ایسے شخص کو کھو دیا جسکا جواب اس وقت سے آج تک نہ پیدا ہو سکا،

متنبی کے ساتھ اس کا بیٹا اور غلام بھی مارا گیا، اور اس کی بے شمار دولت بے رحم غارتگروں کے ہاتھ آئی،

زمرغانِ حرم در کامِ زاغان طعمہ اندازد
مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن،

(الندوہ جلد ۲۔ نمبر ۴)

جون سنہ ۱۹۰۵ء

موبدان مجوس

(ہندوستان مین)

مسلمانون کا تاریخی سرمایہ جو بہت کچھ مفقود ہو چکا، اور ہوتا جاتا ہے، اس نے علاوہ اور بہت سے نقصانات کے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچایا کہ خود مذہب اسلام کے متعلق دنیا کو عجیب عجیب غلطیان اور بد گمانیان پیدا ہو گئین، اور ہوتی جاتی ہین، یہانتک کہ اب خود مسلمان بھی ان غلطیون سے بچ نہین سکتے، وہ بھی مذہب کی حقیقت وہی سمجھتے ہین جو معلومات کے مفقود ہونے نے کئی سو برس سے قائم کر دی ہے۔

اہل یورپ کا خاصہ ہے کہ دو ہمزمان واقعہ کو عموماً علت و معلول فرض کر لیتے ہین، مثلاً جب تاریخ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کے بعد ایرانیون کا لٹریچر برباد ہو گیا تو وہ قطعی طور پر فیصلہ کر لیتے ہین کہ یہ اسلام ہی کے طرز عمل کا نتیجہ تھا،

اسی طرح جب وہ دیکھتے ہین کہ ہندوستان کی کسی اسلامی تاریخ مین پارسی قوم کے مجاہد کا، پیشوایان مذہبی کا، تصنیفات کا، تعلیم و تلقین کا پتہ نہین چلتا، تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ سلاطین ہندوستان نے تعصب کی وجہ سے یا تو سرے سے ان کو ملک مین گھسنے نہ دیا، یا ایسی حالت مین رکھا کہ ان کی کوئی امتیازی حیثیت قائم نہ رہی، جس سے ان کے متعلق کسی قسم کی کوئی اطلاع حاصل ہو سکتی،

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہے تاریخی کم مائگی کا قصور ہے، ہم اس مضمون مین پارسیون کے پیشوایانِ مذہبی (جن کو موبد کہتے ہین) کا مختصر حال لکھنا چاہتے ہین[1] جو ہندوستان مین سکونت رکھتے تھے، اور جن کی تصنیفات و تالیفات، وسعت کے ساتھ اہل علم مین پھیلی ہوئی تھین، اور چونکہ ان کے یہ حالات اسلامی ہی تصنیفات سے لئے گئے ہین، اس لئے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مسلمانون نے غیر قومون کے لٹریچر اور تاریخ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے،

سلطنتِ تیموریہ مین سب سے پہلے اکبر کے زمانے مین موبدون کا پتہ چلتا ہے، اکبر نے جس زمانے مین مذہبی کانفرنس قائم کی، اور ہر مذہب و ملت کے پیشوا دور دور سے بلائے تو ایران سے بھی خط و کتابت کی، اس زمانہ مین پارسیون کا پیشوائے کل آذر کیوان تھا، اس لئے آنے مین معذرت کی، لیکن ایک عجیب و غریب کتاب اپنی تصنیف بھیجی، جس کی نسبت صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین :-

نامہ از مولفاتِ خود کہ مشعر ستائش مجردات و کواکب و متضمن نصائح و حکم بود فرستاد مشتمل بر چہار دہ جزو ہر سطرش پارسی بحت بود، و تصحیف آن عربی و چون قلب می کردند ترکی و با تصحیف آن ہندی می شد[2]

یعنی اس کتاب مین یہ کمال تھا کہ خالص فارسی مین تھی، لیکن اگر نقطون کو اول بدلکر پڑھیے تو عربی ہوجاتی تھی، اور الفاظ کو الٹ کر پڑھو تو ترکی اور پھر مصحف کرنے سے ہندی ہوجاتی تھی، اگرچہ اس ناممکن صنعت پر ہم یقین نہین کر سکتے، لیکن اس سے انکار کی کوئی وجہ نہین کہ

[1] یہ مضمون زیادہ تر بلکہ قریباً کل دبستانِ مذاہب سے لیا گیا ہے، اس کتاب کی نسبت مشہور ہے کہ محسن فانی کشمیری کی تصنیف ہے، بعض اسکو دارا شکوہ کی طرف منسوب کرتے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ذوالفقار اردستانی کی تصنیف ہے، جیسا کہ مآثر الامرا (جلد دوم صفحہ ۳۹۲) مین مذکور ہے، سب سے پہلے یہ کتاب بمبئی مین سنہ ۱۲۶۲ مین چھاپی گئی، اس کے بعد اور بہت سے مطابع مین چھپی [2] مآثر الامرا جلد دوم، صفحہ ۳۸۰،

آذر کیوان نے اپنی کوئی تصنیف ضرور بھیجی تھی،

آذر کیوان نے تو آنے سے انکار کیا، لیکن ایک دوسرا موبد جس کا نام آردشیر تھا، حسب طلب آیا اور اپنے ساتھ مذہبی آتش کدہ کی آگ بھی لیتا آیا، چنانچہ اس کی حفاظت و اہتمام شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا گیا، یہ مآثر الامرا کی روایت ہے، لیکن دبستان مذاہب کے مصنف نے صاف تصریح کی ہے کہ آذر کیوان ہندوستان میں آیا اور عظیم آباد پٹنہ میں سکونت کی، اور ۱۰۲۷ھ میں ۸۵ برس کے سن میں انتقال کیا،

ممکن ہے کہ یہ آذر کیوان وہ نہ ہو جس کا ذکر مآثر الامرا میں ہے، بلکہ کسی اور موبد کا نام ہو، بہرحال یہ آذر کیوان، اسفندیار کے خاندان سے تھا، دبستان میں اس کا پورا شجرۂ نسب لکھا ہے، بچپن ہی سے وہ مرتاض اور گوشہ نشین تھا، ۲۸ برس خم میں بیٹھا، علوم و فنون میں یہ کمال حاصل کیا کہ لوگ اس کو ذوالعلوم کے لقب سے پکارتے تھے، عربی زبان کا بھی ماہر تھا، فقہا اور صوفیہ اس سے ملتے رہتے تھے اور ان سے پرلطف صحبتیں رہتی تھیں، ایک دن کسی فقیہ نے پوچھا کہ آپ جانوروں کے مارنے سے کیوں منع کرتے ہیں، بولا کہ جو لوگ کعبہ کا احرام باندھتے ہیں، ان کو جانور کا مارنا حرام ہے، دل بھی کعبہ ہے اس لئے جو لوگ اس کا احرام باندھتے ہیں، ان کو جانوروں کا مارنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے،

ایک دن ایک شخص نے آذر کیوان سے کہا کہ میں سوداگر تھا، رہزنوں کے ہاتھ سے تنگ آکر آخر وحشی اختیار کی، آذر کیوان نے کہا کہ اب تم خود رہزنی کروگے،

آذر کیوان کی تصنیفات سے جام کیخسرو کا ذکر دبستان میں کیا ہے، اور اس کے اشعار بھی نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج ہیں،

چو از ابد انتہا بر گذشتم روان　　رسیدم بسوے پاک فرخ روان

بدانستم از بود نہفتہ ہمہ　　شدم پاسبان رمش بزرگ رمہ

درو چون بسے برتری یافتم — فروغ زیزدان همے تافتم

چو بهزود پرتو برفت این منی — سروشے بتابید اهرمنی

خدا بود واز من نشانے نه بود — فراموش و یاد درو انے نه بود

همه راز خود سایه می یافتم — به هوش سروشان همی تافتم

زخوشان همی تافتم بر روان — چنین تا به اندام ها نیز خوان

فروناد واناد والا بدم — چنین تا ازان پایه بر آمدم

بدان ره که رفتم شدم همے تن — بمقصد ایزدی فره زان انجمن

خداوند را پایه زان برتر است — که آمیزش بنده را در خور است

ز دریاے هستیش گیتی نمے — نم نم بگو چیست بوبش همے

ز مهر او نوازش کند بنده را — که بر داشتن شاید افگنده را

گدا را توانگر کند مهر او — جهان پرتوے از خور چهر او

مرا ورا جز او کس نیارد ستود — که او در نیاید بگفت و شنود

آذر کیوان کے تلامذہ کثرت سے تھے، ان مین سے چند ممتاز شاگرد جن سے صاحب دبستان نے ملاقات کی تھی، اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا، ان کے نام اور مختصر حالات حسب ذیل ہین،

خراد اس کا مورث اعلیٰ نوشیروان کی خوان سالاری کا منصب رکھتا تھا، خراد نے شیراز مین آذر کیوان کی شاگردی اختیار کی، اور ایک مدت تک سخت ریاضتین اٹھائین ۱۰۲۹ھ مین انتقال کیا،

فرشید ورد یہ بھی شیراز مین آذر کیوان کے فیض سے مستفید ہوا، اور ہندوستان مین

سنہ ۱۰۲۹ھ مین وفات پائی،

خردمند سام نریمان کے خاندان سے تھا مصنف دبستان پٹنہ مین ان بزرگون سے ملا تھا چنانچہ خود لکھتا ہے:

"گرد آورنامہ در پٹنہ این چہار آزادہ یعنی خراد، فرشید ورد، و بہمن و خردمند را دید و دعاے خیر در بارہ نامہ نگار بجاے آوردند"

بہرام بن فرہاد، گودرز کے خاندان سے تھا، آذر کیوان جس زمانہ مین پٹنہ مین تھا، بہرام شیراز سے چل کر پٹنہ مین آیا اور تکمیلِ نفس مین بڑی محنتین اٹھائین، اس نے فلسفہ کی تمام شاخون مین کمال حاصل کیا تھا، اور ان فنون مین عربی، پہلوی، اور فارسی زبانون کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی تھی، عربی فلسفہ کی کتابین خواجہ جمال الدین محمود سے جو علامہ دوانی کے شاگرد تھے پڑھی تھین، تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتا تھا، ۱۰۴۳ھ مین بمقام لاہور وفات پائی،

بہرام کی تصنیفات مین سے تین کتابین زیادہ مشہور ہین، شارستانِ دانش، گلستانِ بینش، شارستان،

مصنفِ دبستان نے پارسیون کے عقائد و خیالات، اکثر ان ہی کتابون سے لیے ہین،

ہوشیار سورت مین پیدا ہوا، رستم کے خاندان سے تھا، نہایت مداست باز، دلیر، صاحب تدبیر و مقدمہ فہم تھا، آذر کیوان کی صحبت اٹھائی تھی، ایک ایک پہر تک حبسِ نفس کر سکتا تھا، کھانے پینے مین کسی چیز سے پرہیز نہین تھا، ۱۰۵۰ھ مین بمقام آگرہ وفات پائی، سرودستان اسکی تصنیف ہے،

موبد سروش، زردشت کی نسل سے تھا، عربی اور فارسی کے ساتھ ہندی زبان بھی جانتا تھا، عربی بہرام بن فرہاد سے حاصل کی تھی، تمام عمر شادی نہین کی، گوشت بھی نہین کھاتا تھا،

اس کی تصنیفات کثرت سے ہین. مثلاً نوش دارو، سکنگبین، زر دشت افشار وغیرہ، محمد محسن ایک فاضل کا بیان ہے کہ مین نے خدا کے ثبوت مین ۳۶۰ دلیلین اسکی زبان سے سنین، لیکن ان کو قلم بند کرنا چاہا تو نہ کرسکا، اکثر خوارقِ عادات اس سے صادر ہوتے تھے، مصنفِ دبستان نے ۱۰۳۶ھ مین اس سے بمقام کشمیر ملاقات حاصل کی تھی،

خدا جوئے، ہرات کا باشندہ تھا، مدت تک جویائے حق رہا، آخر خواب مین ہدایت ہوئی کہ آذر کیوان سے فیض حاصل ہوگا، چنانچہ موبد خوشی کے ساتھ اسطخر گیا، اور آذر کیوان کے حلقہ مین شامل ہوا، عربی اور فارسی زبان مین مہارت کامل رکھتا تھا، اکثر چپ رہتا تھا، اور لوگون کے اصرار سے گفتگو کرتا تھا، آذر کیوان کی مشہور کتاب جام کیخسرو کی شرح لکھی ۱۰۴۰ھ مین بمقام کشمیر وفات پائی، مصنفِ دبستان نے بہین اس سے ملاقات حاصل کی تھی،

موبد خوشی، ایک مدت تک حق کی تلاش مین تمام دنیا مین پھرتا رہا، آخر آذر کیوان کی خدمت مین پہنچا، اور اس سے مقاماتِ سلوک تحصیل کئے، اس کی تصنیفات سے بزمگاہ ایک مفید کتاب ہے، جس مین اُس نے آذر کیوان کے بارہ شاگردون کے حالات اور واقعات لکھے ہین، ان شاگردون کے یہ نام ہین، آردشیر، خراد، شیرویہ، خرومند، فرہاد، سہراب، ازادہ، شیرن، اسفندیار، فرشید ورد، بہمن، رستم، مصنفِ دبستان نے آذر کیوان کے شاگردون کے حالات زیادہ تر اسی کتاب سے لکھے ہین،

بہرام بن فرشاد، ارژنگ مانی اس کی تصنیف ہے، آذر کیوان کا شاگرد تھا لیکن تکمیل بہرام کی خدمت مین کی، ۱۰۴۸ھ مین بمقام لاہور وفات پائی، شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی کی تصنیفات، جو فلسفۂ اشراق کے متعلق تھین، ان کا عربی سے فارسی مین ترجمہ کیا تھا، ایک عجیب بات یہ ہے کہ عربی، فارسی، اور ہندی کے علاوہ یورپ کی بعض زبانین بھی جانتا تھا، اکثر کتابت کا

شغل رکھتا تھا، اور نہایت قلیل الغذا تھا، مصنف دبستان کا بیان ہے کہ مین نے سنہ ۱۰۴۸ھ مین اس کو لاہور مین دیکھا تھا، ایک رات دن متصل دو زانو ایک مقام پر بیٹھا رہا اور ذرا جنبش نہ کی،

موبد پرستار پٹنہ مین پیدا ہوا، بچپن مین آذر کیوان کی صحبت اٹھائی اور زیادہ تر فیض موبد سروش سے حاصل کیا، پنزدہ سوبدی اس کی تصنیف ہو،

شیدوش بن انوش، زردشت کے خاندان سے تھا، اس کا باپ آذر کیوان کا تربیت یافتہ تھا، نہایت خوش لباس تھا، اور بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتا تھا، خوبرو، اور وجیہ تھا، سنہ ۱۰۴۰ھ مین کشمیر مین بیمار ہوا، اور یہین وفات پائی، نزع کی حالت مین حضرت نور بخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے،

یکے قطرہ ام از محیط وجود — اگرچند داریم کشف وشہود

من از قطرہ گے گشتہ ام بس نفور — خدایا رسانم بہ دریاے نور

اخیر شعر پر دم نکل گیا،

مصنف دبستان نے اس کا مرثیہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہین،

شیدوش تا ز دیدۂ من بر کرانہ شد — گر چشم خانہ بود بہ سر رود خانہ شد

آرام گاہ طائر قدسی سپہر بود — زین پست آشیان بہ فراز آشیانہ شد

جانش بہ ذات حضرت جان آفرین رسید — بیرون ز قید چرخ و زمین و زمانہ شد

یہ تمام موبد جن کا ذکر ہوا، آذر کیوان کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے،

مصنف دبستان نے اور موبدون کے نام بھی لکھے ہین، ہم نے ان کو قلم انداز کیا،

مسلمانون کی بے تعصبی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ بہت سے مسلمان فضلا نے آذر کیوان کی شاگردی اختیار کی، اور چونکہ وہ موحد اور صوفی تھا، اس لئے سلوک کے مقامات

اس سے ملے گیے، ان میں سے محمد علی شیرازی، محمد سعید اصفہانی، عاشور بیگ محمود بیگ کا حال مصنفِ دبستان نے تفصیل سے لکھا ہے، لوگوں کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ شیخ بہاء الدین عاملی نے بھی آذر کیوان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، سچ ہے،

ہیچکہ ذوقِ طلب، از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

(الندوہ جلد ۲ نمبر ۸)

ستمبر ۱۹۰۵ء

زیب النساء

بمبئی کے سفر مین ایک عزیز دوست نے جو انگریزی تصنیفات پر زیادہ اعتماد رکھتے ہین انڈین میگزین اینڈ ریویو، کا ایک آرٹکل دکھایا جو زیب النسار کی سوانحمری کے متعلق تھا، مجھ کو افسوس ہوا کہ ایک ایسے معزز پرچہ کا سرمایہ معلومات تمامتر بازاری قصے تھے جن مین سے ایک شرمناک قصہ عاقل خان رازی کا بھی ہے، اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ خود مسلمانون مین بازاری اہل قلم نے زیب النسا کے جو حالات تجارتی غرض سے قلمبند کئے وہ بالکل بے سروپا ہین، اس بنا پر خیال ہوا کہ زیب النسا، کے متعلق صحیح معلومات یکجا کر دیے جائین، موصوف الذکر دوست نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کو انگریزی مین منتقل کر دینگے، جس سے یہ فائدہ ہوگا، کہ غلط معلومات کی اصلاح ہو جائیگی،

انگریزی مصنفون کی غلطیان جو عالمگیر ہو جاتی ہین، اس کی یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص ان کی پردہ دری نہین کرتا اور کرتا ہے تو ایسی زبان مین جسکی ان کو خبر تک نہین ہوتی اس سے سلسلہ بہ سلسلہ وہ غلطیان پھیلتی جاتی ہین، اور ان سے مسلمانون کے اخلاق اور عادات کی نسبت نہایت برے خیالات پیدا ہوتے ہین،

ایک عزیز دوست کی خاطر سے مجھ کو اپنے دائرۂ تحریر سے ہٹنا پڑا ہے، لیکن مین اس بے اصولی سے شرمندہ نہین ہون

زیب النسار کی ولادت | زیب النسا اورنگ زیب کی سب سے پہلی اولاد تھی، اس کی مان جس کا

نام دلرس بانو بیگم تھا، شاہ نواز خان صفوی کی بیٹی تھی، شاہ نواز کا اصلی نام بدیع الزمان ہے، جہانگیر کے زمانے مین معزز عہدون پر ممتاز ہو کر شاہ نواز خان کے خطاب سے ملقب ہوا شاہ جہان کے زمانے مین بھی کارہاے نمایان کئے، چونکہ لیاقتِ ذاتی کے ساتھ عالی خا بھی تھا، شاہجہان نے ۱۰۴۷ھ مین کہ اسکی سلطنت کا دسوان سال تھا، اورنگ زیب کی شادی اس کی بیٹی سے کردی، چار لاکھ مہر باندھا گیا، طالب کلیم نے مادۂ تاریخ کہا، ع

دو گوہر بہ یک عقد دوران کشیدہ[1]

زیب النسا، شادی کے دوسرے سال شوال ۱۰۴۸ھ مین پیدا ہوئی، عالمگیری امرا مین عنایت اللہ خان نہایت معزز عہدہ دار تھا، اس کی مان حافظہ مریم قابل اور تعلیمیافتہ تھی، زیب النسا جب پڑھنے کے قابل ہوئی، تو اورنگ زیب نے اس کی تعلیم کیلیئے حافظہ مریم کو مقرر کیا جس نے حسب دستور سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم دی[2]، زیب النسا نے قرآن مجید حفظ یاد کیا جس کے صلہ مین اورنگ زیب نے تیس ہزار اشرفی انعام مین دی[3]،

تمام تاریخین اور تذکرے متفق اللفظ ہین کہ زیب النسا نے عربی اور فارسی کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی، اور بڑے بڑے علما و فضلا اس کی خدمت مین رہتے تھے، لیکن اس کے اساتذہ مین سے زیادہ مقرب اور باریاب ملا سعید اشرف ماژندرانی تھے، ملا سعید تقی مجلسی کے نواسے تھے، عالمگیر کے آغازِ جلوس مین ایران سے آئے اور عالمگیر نے ان کو زیب النسا کی تعلیم کے لئے مقرر کیا[4]، اس وقت زیب النسا کی عمر تقریباً اکیس ۲۱ برس کی تھی، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ تیموریون مین مستورات کی تعلیم کا سلسلہ کس قدر ممتد ہوتا تھا، زیب النسا نظم و نثر مین

---

[1] مآثر الامراء، جلد دوم صفحہ ۶۷۱،۶ [2] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۸۲۸ [3] مآثر عالمگیری صفحہ ۵۳۸ [4] مرآۃ آزاد و تذکرۂ ملا اشرف،

ملا سعید ہی سے اصلاح لیتی تھی۔

ملا اشرف شاعر بھی تھے، اور شاعری ہی کے وصف سے مشہور ہیں، قریباً ۱۳-۱۴ برس وہ تعلیم کے تعلق سے زیب النسار کی خدمت میں رہے، ۱۰۸۳ھ میں وطن جانا چاہا، زیب النسار کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس میں رخصت کی درخواست کو اس طرح ادا کیا تھا،

یک بار از وطن نتوان برگرفت دل | در غربتم اگرچہ فزون ست اعتبار
پیشِ تو قرب و بعد تفاوت نمی کند | گو خدمتِ حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ ملتان چہ اصفہان[1] | دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندہار

زیب النسا نے جس قسم کی تعلیم پائی تھی اور خود اس کا مذاق طبیعت جس قسم کا واقع ہوا تھا، اس کے لحاظ سے وہ پالٹیکس سے بالکل نا آشنا تھی، تاہم عالمگیر کے پرپیچ عہدِ حکومت میں وہ بھی اس بدنامی سے نہ بچ سکی، ۱۰۹۱ھ میں راجپوتوں نے جب عام بغاوت کی، اور عالمگیر نے ان کے دبانے کے لئے شہزادہ اکبر کو فوج گران دیکر جودھپور کی طرف روانہ کیا، تو راجپوتوں کے بہکانے سے شہزادہ خود باغی ہو گیا، اور عالمگیر کے مقابلہ کو بڑھا، زیب النسا، اور شہزادہ اکبر حقیقی بھائی بہن تھے، دونوں میں خط وکتابت بھی تھی، یہ خطوط پکڑے گئے اور عالمگیر نے اس کے انتقام میں زیب النسار کی تنخواہ جو چار لاکھ سالانہ تھی بند کر دی، اس کے ساتھ تمام مال و متاع ضبط کر لیا گیا، اور قلعہ سلیم گڈھ میں رہنے کا حکم ہوا[2]، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد اس کی بے گناہی ثابت ہوئی، اور عفو قصور کر دیا گیا، کیونکہ ۱۰۹۲ھ میں جب حمیدہ بانو بیگم (والدہ روح اللہ خان) نے انتقال کیا، تو رسم تعزیت ادا کرنے کے لیے عالمگیر نے زیب النسا کو روح اللہ خان کے گھر بھیجا، اسی سنہ میں جب شہزادہ کام بخش (عالمگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا) کی شادی ہوئی تو تقریب کی رسمیں

[1] سرو آزاد تذکرہ ملا اشرف [2] مآثر عالمگیری صفحہ ۲۰۴،

زیب النساہی کے محل مین اوا ہوئین، اور عالمگیر کے حکم سے تمام ارکانِ دربار زیب النسا کی ڈیوڑھی تک پاپیادہ گئے،

زیب النسار نے شادی نہین کی، عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطینِ تیموریہ لڑکیون کی شادی نہین کرتے تھے، اس غلط روایت کو، یورپین مصنفون نے بہت شہرت دی ہے، اور اس سے ان کو شاہی بیگیات کی بدنامی پھیلانے مین بہت مدد ملی ہے، لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد ہی، خود عالمگیر کی دو بیٹیان، زبدۃ النسا بیگم، اور مہر النسا بیگم، سپہر شکوہ اور ایزد بخش دلپسر شہزادہ مراد) سے بیاہی تھین، چنانچہ ماثر عالمگیری مین دونون شادیون کی تاریخین اور مختصر حالات لکھے ہین، اور خاتمہ کتاب مین بھی اس کا ذکر کیا ہے،

عالمگیر زیب النسا کی نہایت عزت کیا کرتا تھا، جب وہ کہین باہر سے آتی تھی تو اس کے استقبال کے لیے شہزادون کو بھیجتا تھا، سفر و حضر مین اس کو ساتھ رکھتا تھا، کشمیر کے مشہور سفر مین بھی وہ ساتھ تھی، لیکن جب عالمگیر دکن گیا تو اس نے غالباً اپنی علمی زندگی کی وجہ سے پایۂ تخت کو چھوڑنا مناسب نہ سمجھا، اس کی چھوٹی بہن زینت النسار عالمگیر کے ساتھ گئی، چنانچہ اس کا نام بار بار واقعات مین آتا ہے، زیب النسار نے دلی مین قیام کیا، اور وہین پیوندِ زمین ہو گئی، زیب النسا نے ۱۱۱۳ھ مین جو عالمگیر کی حکومت کا اڑتالیسوان سال تھا، دلی مین انتقال کیا، آہ زیب النسا جنتی مادۂ تاریخ ہے،

عالمگیر اس زمانے مین دکن کی فتوحات مین مصروف تھا، یہ خبر سنکر سخت غمزدہ ہوا، بے اختیار آنکھون سے آنسو نکلے، اور باوجود انتہا درجہ کے استقلالِ مزاج کے صبر کی تاب نہ لا سکا، سید امجد خان، شیخ عطار اللہ، اور حافظ خان کے نام حکم صادر ہوا کہ اس کے ایصالِ ثواب کے لیے

ل ماثر عالمگیری صفحہ ۲۲۵،

زکوٰۃ و خیرات دین، اور مرحومہ کا مقبرہ طیار کرائین[1]،

خافی خان نسخہ مطبوعہ کلکتہ مین زیب النسا کا نام اور اس کے واقعات سنہ ۱۱۲۲ھ تک آتے ہین، لیکن یہ صریح غلطی ہے، کاتبون نے غلطی سے زینت النسا کو زیب النسا سے بدل دیا ہے،

کمالات علمی اور عام اخلاق و عادات

تمام مورخین نے بہ تصریح لکھا ہے کہ زیب النسا، علوم عربیہ اور فارسی زباندانی مین کمال رکھتی تھی، نستعلیق، نسخ، اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھی،

لیکن اس کی تصنیفات سے آج کوئی چیز موجود نہین، عام طور پر مشہور ہے کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی، اور دیوان مخفی جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اسی کا ہے، لیکن یہ صحیح نہین، کسی تاریخ یا تذکرہ مین اس کے تخلص یا دیوان کا ذکر نہین، مولوی غلام علی آزاد ید بیضا مین لکھتے ہین "این دو بیت از نام او مسموع شدہ" پھر دو شعر نقل کئے ہین، اس کا دیوان ہوتا تو صرف دو شعر کا ذکر کیون کرتے

مخزن الغرائب ایک تذکرہ ہے، جو احمد علی سندیلوی کی تصنیف ہے، مصنف نے نہایت کثرت سے فارسی تذکرے بہم پہنچائے ہین، اور ان سے حالات اور اشعار انتخاب کئے ہین، زیب النسا کے حال مین لکھتے ہین:-

"اما دیوان اشعارش جائے بہ نظر نیامدہ، اگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ لیکن اعتبار را نشاید بسبب آن کہ اکثر شعر اساتذہ، صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ وہ شاعر تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا اسی تذکرہ مین ملا سعید اشرف کے حال مین لکھا ہے کہ زیب النسا کی بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے جس کا نام ارادت فہم تھا، حوض مین گر پڑی، چنانچہ سعید اشرف نے اس پر ایک قطعہ لکھا جو آگے آئیگا، غالباً یہ اشعار کی بیاض ہوگی، تذکرون مین یہ دو شعر زیب النسا کے

---

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۴۶۲

نام سے منقول ہیں،

بشکند دستے کہ خم در گردنِ یارے نشد | کور بہ چشمے کہ لذت گیرِ دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت | غنچۂ باغِ دلِ ما زیبِ دستارے نشد

زیب النسا کی تصنیفات و تالیفات سے زیب المنشآت کا ذکر البتہ تذکروں میں آیا ہے، تذکرۃ الغرائب کے مصنف نے لکھا ہے کہ "میں نے اس کو دیکھا ہے" یہ زیب النسا کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ ہے،

علم پروری | زیب النسا نے خود کوئی تصنیف کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اس نے اپنی نگرانی میں اہل فن سے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کرائیں، مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں:

"ہمت بہ تربیتِ حال اربابِ فضل و کمال مصروف می داشت، و جماعتِ کثیر از علما و شعرا و منشیان و خوشنویسان بہ سایۂ قدردانی او آسودہ بودند، و کتب و رسائلِ بسیار بنامِ او سمتِ تالیف پذیرفتہ"

زیب النسا کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈمی (بیت العلوم) تھی، ہر فن کے علما اور فضلا نوکر تھے جو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے، یہ کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں، یعنی اُن کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا، اسی سے اکثر تذکرہ نویسوں کو دھوکا ہوا ہے، اور انھوں نے وہ کتابیں زیب النسا کی تصنیفات میں شمار کی ہیں،

زیب النسا نے جو کتابیں تصنیف کرائیں اُن میں زیادہ قابلِ ذکر، تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے، یہ مسلم ہے کہ تفسیروں میں امام رازی کی تفسیر سے زیادہ جامع کوئی تفسیر نہیں، اس لئے زیب النسا نے ملا صفی الدین اردبیلی کو جو کشمیر میں مقیم تھے، حکم دیا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کریں، چنانچہ اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا، بعض تذکرہ نویسوں نے غلط لکھدیا ہے کہ وہ زیب النسا

کی مستقل تصنیف ہے،

زیب النسا نے تصنیف وتالیف کا جو محکمہ قائم کیا تھا، اس کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ کا ہونا بھی ضرور تھا، جس سے مصنفین فائدہ اٹھا سکین، چنانچہ بیگم موصوف نے ایک نہایت عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ اس کتب خانہ کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گذری ہوگی، مصنف مذکور کے اصلی الفاظ یہ ہین،

در سرکار علیہ کتاب خانہ گرد آمدہ بود کہ بہ نظر ہیچ یکے در نیامدہ باشد، (صفحہ ۵۳۹)

زیب النسا کے حسنِ مذاق سے بڑا نفع یہ ہوا کہ عالمگیر کی خشک مزاجی نے جو نقصان پہنچایا تھا، اس کی تلافی ہوگئی، یاد ہوگا کہ دربار مین ملک الشعرائی کا خاص عہدہ ابتدائے سلطنت سے چلا آتا تھا، جس پر فیضی، طالب آملی، قدسی، کلیم، مامور رہ چکے تھے، عالمگیر نے اس عہدہ کو موقوف کر دیا، اور دفعۃً شعرا گویا بے خان ومان ہوگئے، لیکن زیب النسا کی قدر دانی نے پھر وہ دربار قائم کر دیا، مختلف تقریبون پر شعرا قصیدے اور نظمین لکھ کر پیش کرتے تھے، اور گران بہا انعام پاتے تھے، زیب النسا کی شعر دوستی کا یہ اثر ہوا کہ اہلِ سخن معمولی عرض ومعروض بھی شعر ہی مین کرتے تھے، اس قسم کے چند واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ ارادت فہم نام ایک خواص کے ہاتھ سے زیب النسا کی بیاض خاص حوض مین گر پڑی تھی، اس جرم کی معافی کے لئے ملا سعید اشرف نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا،

اے اوافہے کہ پیشت فاضلانِ عصر را
شستنِ مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است

در خمِ افلاطون زیادِ دانشت سرخوش بود
ہمچو مخمورے کہ در فکر شراب افتادہ است

گاہ گاہے گر زبے آداییِ بادِ صبا
از گلِ رخسارِ عرقناکت نقاب افتادہ است

آب حسرت در دہانِ اختران گردیدہ است
آتشِ غیرت بہ جانِ آفتاب افتادہ است

ذہن صافی تا علم گردید در دانشوری / طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است

دفتر فرہنگ در چنگش مجزا گشتہ است / از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است

عرض حالے ہست در خاطر کہ در اظہار آن / بند بندم موج سان در اضطراب افتادہ است

آن بیاض خاصۂ شاہی کہ در اطراف آن / جائے افشان نقطہائے انتخاب افتادہ است

آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر / در الفاظش بسی با آب و تاب افتادہ است

دوش از دست ارادت فہم خامم در دہن / چون بیاض سینۂ ماہی در آب افتادہ است

نے ہمین از یاد معدن رفت لعل آبدار / گوہر غلطان ہم از چشم سحاب افتادہ است

بحر شعر آبدارش تازہ طوفان کردہ است / کشتیش در چار موج اضطراب افتادہ است

گوئیا از سر بدر رفت ست آب جدولش / کاین چنین گلدار اشعارش خراب افتادہ است

آہ ازین غم در دل پیر و جوان پیچیدہ است / لرزہ زین ہیبت بجان شیخ و شاب افتادہ است

بسکہ می بندند ہر یک بر گلوے دیگرے / گر بیاض گردنش خوانند تاب افتادہ است

من چہ گویم کان چو مژگان خودش برگشتہ بخت / در تب این غم چنان از خور و خواب افتادہ است

زان زمان باز از پریشان حالی و آشفتگی / ہمچو زلف خویشتن در پیچ و تاب افتادہ است

رفت رنگ آتشین چون شمع صبح از عارضش / ہمچو نبض موج اندر اضطراب افتادہ است

فیض بخشا از دو ثر پروانہ بخشایشے / کاتشے در وے چو شمع از التہاب افتادہ است

ورنہ خواہی دید یکدم دفتر افلاک را / از ہجوم گریہ اش یکسر خراب افتادہ است[1]

نعمت خان عالی، اس زمانے کا مشہور شاعر تھا، ایک دفعہ اس نے ایک مرصع کلغی جو دستار پر لگاتے تھے زیب النسا کی خدمت مین فروخت کے لیے پیش کی، زیب النسائ نے

---

[1] یہ تمام اشعار تذکرہ مجمع الغرائب اشرف سعید کے حالات مین نقل کیے ہین،

رکھی، لیکن جیسا کہ درباروں کا معمول ہے، قیمت کے ملنے مین دیر ہوئی نعمت خان نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی،

اے بندگیت سعادت اخترِ من · در خدمتِ تو عیان شدہ جوہر من

گر جیغہ خریدنی ست بس کو رزمن · ورنیست خریدنی ازین بر سرِ من

اگر خریدنا ہے تو دام دلوایئے · اور نہ خرید نا ہو تو میرے سر ماریئے،

بیگم نے پانچہزار روپیہ دلوائے، اور کلغی واپس کر دی[1]،

ملا سعید اشرف جو زیب النسا کا استاد تھا، اور زیب النسا نظم و نثر مین اسی سے اصلاح لیتی تھی، بڑے پایہ کا شاعر تھا، تمام تذکرون مین اس کے حالات تفصیل سے لکھے ہین، بیگم اس کو بہت عزیز رکھتی تھی، ایک دفعہ اس نے ایک لونڈی ملا صاحب کے پاس بھیجی کہ اس کو خدمت مین رکھیے، کنیز ملا صاحب کے مذاق کے موافق نہ تھی، ایک طویل قطعہ اس کی ہجو مین لکھ کر بیگم کو بھیجا، آغاز کا شعر یہ تھا،

قدر دانشور شناسا! نور چشمِ عالما

اے کہ ہرگز قدر تت ہم چشمیت حور اندا کشت

مولوی غلام علی آزاد نے صرف یہی ایک شعر نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس مین قافیہ قوسین ادادنی کا قافیہ فحش موقع پر استعمال کیا تھا، لیکن یہ نہایت تعجب کی بات ہے، زیب النسا تو زاہدانہ مذاق رکھتی تھی، شاہی بیگمات کے دربار مین کسی کو اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت نہین ہو سکتی تھی، جہان آرا بیگم (زیب النسا کی پھوپھی) ایک دفعہ باغ کی سیر کو نکلی، ہر طرف پردہ کرا دیا گیا، میر صیدی طہرانی ایک مشہور شاعر تھا، وہ کسی حجرہ مین چھپ کر سواری کا تماشہ

---

[1] خزانۂ عامرہ تذکرہ نعمت خان عالی،

دیکھ رہا تھا، بیگم کا ہاتھی پاس سے گذرا تو بے ساختہ صیدی کی نے یہ مطلع پڑھا،

برقع برخ افگندہ بردناز بہ باغش | تا نکہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

باغ مین برقع پہن کر اسلیے جاتی ہی | کہ پھول کی خوشبو چھنکر دماغ مین آئے

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو کشان کشان سامنے لائین، بیگم نے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا، اور پانچہزار روپیے دلوا دیئے، لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ شہر سے نکال دیا جائے[1] (یعنی یہ گستاخی کیون کی) اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بیگمات کے لئے کس قسم کے آداب مقرر تھے،

اخلاق وعادات | زیب النسا اگرچہ درویشانہ اور مصنفانہ مذاق رکھتی تھی، تاہم شاہجہان کی پوتی تھی، اس لئے نفاست پسندی اور امارت کے سروسامان بھی لازمی تھے، عنایت اللہ خان جو امراے عالمگیری مین مقرب خاص تھا، زیب النسا کا میر خانسامان تھا[2]، کشمیر مین جابجا جو خوشگوار اور خوش منظر چشمے ہین ان مین سے ایک چشمہ جس کا نام احول تھا، زیب النسا کی جاگیر مین تھا، زیب النسا نے اس کے متصل ایک نہایت پُرتکلف باغ اور شاہانہ عمارتین تیار کرائی تھین، چنانچہ عالمگیر جب ۱۰۷۳ھ مین کشمیر کے سفر کو گیا ہے، تو اس مقام پر ایک دن قیام کیا، اور زیب النسا نے قاعدہ کے موافق نذر پیش کی اور روپئے نچھاور کئے[3]،

۱۰۹۰ھ مین ابرک کا ایک بڑا خیمہ تیار کرایا تھا، جو تمام تر شیشہ معلوم ہوتا تھا، نعمت خان عالی نے اس کی تعریف مین ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جس کے چند اشعار حسب ذیل ہین،

ازان خرگاہ ابرک طلقش، چشم بد دور | کہ شد از جلوہ اش نورٌ علیٰ نور

تعالی اللہ چہ روشن بارگاہے (خیمہ) | کدورت را درین جا نیست راہے

ز نورش گشتہ خیرہ، چشم کوکب | کمینہ خانہ زادش ماہِ نخشب

---

[1] خزانہ عامرہ ذکر صیدی طہرانی [2] مآثر الامرا جلد دوم تذکرہ عنایت اللہ خان ص ۸۲۹ [3] عالمگیر نامہ مطبوعہ کلکتہ ص ۸۳۶

فروغش گر چنین نہ در جہان تاب | کسے شب را نخواہد دید در خواب
چو عاجز گشت نطقم از ثنایش | شدم جویاے تاریخ بنایش
پے تاریخ آن گفتا زمانہ | برد زنگ دلم آئینہ خانہ

بھائیون سے نہایت محبت رکھتی تھی، سنہ ۱۱۰۰ھ مین جب اعظم شاہ مرض استسقا مین سخت بیمار ہوا تو زیب النسا نے اس کی تیمار داری اس محبت سے کی کہ تمام ایام مرض تک اس پرہیزی غذا کے سوا جو خود شہزادہ کھاتا تھا، کوئی اور غذا نہین کھائی، محمد اکبر جس زمانے مین عالمگیر سے باغی ہو کر راجپوتون سے مل گیا ہے، اُس زمانے مین بھی زیب النسا نے اس سے برادرانہ راہ ورسم اور خط وکتابت ترک نہ کی، جس کے صلے مین اس کی تنخواہ اور جاگیر ضبط ہو گئی،

زیب النسا کے متعلق جھوٹے قصے

زیب النسا کے متعلق متعدد جھوٹے قصے مشہور ہو گئے ہین، جن کو یورپین مصنفون نے اور زیادہ آب ورنگ دیا ہے، ان مین سے ایک یہ ہو کہ زیب النسا اور عاقل خان سے عاشق اور معشوق کا تعلق تھا، اور زیب النسا اس کو چوری چھپے سے محل مین بلایا کرتی تھی، ایک دن عالمگیر محل مین موجود تھا کہ اس کو پتہ لگا کہ عاقل خان محل مین ہے اور حمام کی دیگ مین چھپا دیا گیا ہے، عالمگیر نے انجان بنکر اسی دیگ مین پانی گرم کرنے کا حکم دیا، عاقل خان نے اخفاے راز کے لحاظ سے دم نہ مارا اور جل کر رہگیا، مرنے کے وقت یہ مطلع کہا تھا،

بعد مردن زجفاے تو اگر یاد کنم | از کفن دست برون آرم و فریاد کنم

عاقل خان کا مفصل تذکرہ مآثر الامرا مین موجود ہے، اور چونکہ شاعر تھا، تمام تذکرون مین اس کے حالات مذکور ہین، لیکن اس واقعہ کا کہین نام ونشان نہین، جن کتابون مین اس کا حال ملسکتا تھا اور جو مستند اور معتبر خیال کیجاتی ہین حسب ذیل ہین، عالمگیر نامہ، مآثر عالمگیری

ك مآثر الامرا، جلد اول ص ۵۹۹، مآثر عالمگیری مین زیب النسا کے بجاے زینت النسا کا نام لکھا ہے لیکن یہ وہی لفظی اشتباہ ہے

مآثر الامرا، تذکرۂ سرخوش، خزانۂ عامرہ، سرو آزاد، ید بیضا، ان کتابون مین ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق نہین، حالانکہ اس کی وفات کا تذکرہ سب نے لکھا ہے، جو ۱۱۱۳ھ مین واقع ہوئی

دوسرا واقعہ یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ زیب النسا نے یہ مصرع کہا،

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

چاہتی تھی کہ مطلع ہو جائے، لیکن دوسرا مصرع اس کی جوڑ کا موزون نہین ہوتا تھا، ناصر علی کے پاس مصرع لکھ کر بھیجا، اس نے برجستہ کہا،

شاید رسید بر لب زیب النسا لبم — از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

لیکن جو شخص تیموریون کے جاہ و جلال اور آداب و آئین سے واقف ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ بیچارے ناصر علی کو خواب مین بھی اس گستاخی کی جرأت نہین ہو سکتی تھی،

(الندوہ جلد ۶ نمبر ۹

اکتوبر ۱۹۰۹ء

مولوی غلام علی آزاد بلگرامیؒ

دلّی اور لکھنؤ مین جو مساویانہ رقابت قائم کر دی گئی ہے، وہ اور کسی اعتبار سے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ ایک خاص بات مین (اور یہ کوئی معمولی بات نہین) لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہرون سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے، وہ یہ کہ اس کے اطراف و جوانب مین جو مردم خیز بستیان ہین، انھون نے جس درجے کے علما و فضلا پیدا کئے، دلی ایک طرف کل ہندوستان نے اس پایہ کے اہل کمال پیدا نہین کئے، ملا قطب الدین شہید، ملا نظام الدین بحر العلوم، حمد اللہ، ملا حسن، ملا کمال، قاضی مبارک، جو آسمان علم کے ثوابت اور سیارے ہین، انہی بستیون کی خاک سے اٹھے تھے، سہالی، گوپامئو، نیوتنی، موہان، گو خود عالم شہرت مین روشناس نہین، لیکن انھون نے جو علمی جواہر پیدا کئے آج تمام ہندوستان اُن کے نام سے گونج رہا ہے، انہی مردم خیز بستیون مین ایک بلگرام بھی ہے، جو آج بھی علمی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، مولوی غلام علی آزاد جن کا مختصر حال ہم لکھنا چاہتے ہین، یہین کے رہنے والے تھے،

بلگرام مین جس قدر واسطی سادات آباد ہین، ان کے مورث اعلیٰ جو بلگرام مین آکر آباد ہوئے سید محمد صغری ہین، وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید تھے، اور سلطان شمس الدین التمش کے دربار سے تعلق رکھتے تھے (سنہ ۶۱۴ھ) اس زمانے مین بلگرام پر ایک ہندو راجہ قابض تھا، جس کا نام سری تھا، اور جو نہایت متعصب اور سرکش تھا، سنہ ۶۱۴ھ مین سید محمد صغری اس کی سرکوبی کے لئے تھوڑی سی فوج لیکر روانہ ہوئے، اور بلگرام کے قریب پہنچکر راجہ سے

معرکہ آرا ہوئے، راجہ مع عزیز و اقارب کے قتل ہوا، اور بلگرام پر پورا تسلط ہو گیا، اس واقعہ کی تاریخ "خداداد" کے لفظ سے نکلتی ہے،

سید محمد صغری نے یہین اقامت اختیار کر لی، شیوخ فرشوری، اور ترکمان جوان کے ساتھ آئے تھے، وہ بھی یہین آباد ہو گئے، اس زمانے مین مالگذاری کا طریقہ یہ تھا کہ غلہ کی پیداوار کا دسوان حصہ لیا جاتا تھا، جس کو وہ بٹی کہتے تھے، چنانچہ محمود بن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ دہلی کے فرمان کی جو عبارت مولوی غلام علی آزاد نے مآثر الکرام مین نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہین،

"چنانچہ در عہد سلاطین ماضیہ عشر عین غلہ دادہ اند ہم بر آن جملہ بدہند"

یہ فرمان ۸۰۵ھ کا ہے، جو سید محمد صغری کے نام صادر ہوا تھا،

سید محمد صغری نے بلگرام مین ایک قلعہ تعمیر کیا، اور ۳۱ برس کی حکومت کے بعد ۶۴۵ھ مین وفات پائی، مولوی غلام علی آزاد، انہی سید محمد کی اولاد مین سے ہین،

مولوی غلام علی آزاد روز یکشنبہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ مین بہ مقام بلگرام محلہ میدان پورہ مین پیدا ہوئے، کتب درسیہ میر طفیل محمد بلگرامی سے پڑھین، جو اس زمانے کے مشہور فاضل تھے، عروض و قافیہ اور بعض ادب کی کتابین میر سید محمد سے پڑھین، جو آزاد کے ماموں اور سید عبدالجلیل کے فرزند رشید تھے، اس زمانے مین سید عبدالجلیل بلگرامی (آزاد کے نانا) اساتذہ روزگار مین شمار کئے جاتے تھے، وہ ۱۶ برس کی سیر و سیاحت و ملازمت سلطنت کے بعد وطن مین آئے اس وقت آزاد کی عمر ۱۰ برس کی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ آزاد نے ایسے نامور یگانہ کے دیدار سے آنکھین روشن کین، آزاد نے ان کی خدمت مین حاضر ہو کر زانوے شاگردی تہ کیا، اور کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، ۱۱۳۲ھ مین سید عبدالجلیل نے پھر دلی کا رخ کیا، چونکہ آزاد کی تکمیل کے مراحل ابھی طے نہین ہوئے تھے، یہ بھی ساتھ گئے، اور دو برس تک ان کی خدمت مین رہ کر استفادہ کیا،

قاموس اللغہ کا معتدبہ حصہ اور حدیث کی بعض کتابین ان سے پڑھین[1]، سید عبدالجلیل ان کی لیاقت اور استعداد سے اس قدر خوش ہوے کہ اکثر کہا کرتے تھے کہ امید ہے تم سے میری یادگار قائم رہ جائے فراغ تحصیل کے بعد وطن مین واپس آئے، اور مدت تک یہین رہے،

۱۱۴۱ھ مین سندھ کے سفر کا اتفاق ہوا، تقریب یہ ہوئی کہ ان کے ماموں میر سید محمد اس زمانے مین بادشاہ دہلی کی طرف سے سندھ کے میر بخشی اور وقائع نگار تھے، اور سیوستان جو سندھ کا ایک شہر ہے، ان کا صدر مقام تھا، ان سے ملنے کے لئے بلگرام سے نکلے، اور دلی، لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے سیوستان پہنچے، اس زمانے کے سفر کی دشواریون پر خیال کرو، کہ ذی الحجہ ۱۱۴۲ھ مین بلگرام سے روانہ ہوے تھے، اور ربیع الاول ۱۱۴۳ھ مین سیوستان پہنچے، یعنی یہ مسافت ایک برس تین مہینے مین ختم ہوئی، میر سید محمد نے ان کو اپنا قائم مقام کرکے خود بلگرام کا قصد کیا اور پورے چار برس کے بعد واپس آئے، آزاد ۱۱۴۷ھ مین سیوستان سے دلی مین آئے، یہان خبر لگی کہ ان کے والد ماجد مع تمام اہل و عیال الہ آباد مین تشریف رکھتے ہین، یہ سنکر آگرہ ہوتے ہوئے الہ آباد پہنچے، والدین سے مل کر سعادت دارین حاصل کی، اور چند روز یہین قیام رہا، اس قیام کے زمانے مین دو دفعہ بلگرام گئے، دوسری دفعہ جاکر واپس آئے، تو سفر حج کا شوق دامنگیر ہوا، بچپن مین کبھی خواب دیکھا تھا کہ جناب رسالت پناہؐ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی، یہانتک کہ ضبط نہ ہوسکا، اور ۳ رجب ۱۱۵۰ھ مین بے اختیار نکل کھڑے ہوئے، اگرچہ کبھی پیادہ روی کا اتفاق نہین ہوا تھا، لیکن بیتابی شوق مین سواری کا خیال بھی نہ آیا، کسی کو خبر تک نہ ہونے دی، یہانتک کہ ان کے چلے جانے کا حال لوگون کو تیسرے دن معلوم ہوا، عورتین بہت بیقرار ہوئین، ان کے بھائی سید غلام حسن نے تین منزل تک تعاقب کیا، مگر یہ ہاتھ نہ آئے، مجبوراً واپس گئے، چونکہ آزاد نے اس خیال سے کہ لوگون کو پتہ نہ لگ جائے،

[1] مآثر الکرام تذکرہ سید عبدالجلیل بلگرامی

معمولی راہ چھوڑ کر، غیر متعارف راستہ اختیار کیا تھا، اس لئے صحرانوردی مین بڑی تکلیفین اٹھائین، چنانچہ ایک مثنوی مین جو حالاتِ سفر مین لکھی ہے، اور جس کا تاریخی نام طلسم اعظم رکھا ہے، فرماتے ہین:

مارِ خوابیدہ است جادۂ او — برنخیزد ز پا فتادۂ او
پیکِ این راہ تیر ناوک وار — جامہ از تن کند دمِ رفتار
رہزنش کاسہ از گدا گیرد — خارِ او دامنِ ہوا گیرد
می بریدم رہے بہ بے پائی — بار فیقے کہ بود تنہائی
صبح تا شام راہ می رفتم — خون چکان تر ز آہ می رفتم
ہمہ کہسار و دشتِ ناہموار — قدمِ مور دراین رہ دشوار
ہر قدم رود ہا و جیحون ہا — چون دمِ تیغ تشنہ، خون ہا
موجِ خوناب و جوشِ آبلہا — ریخت در راہ رنگ سلسلہا

بلگرام سے سرونج تک جو مالوہ کے اضلاع مین ہے، پیادہ پا سفر کیا، نوبت یہ پہنچی کہ پاؤن مین آبلے پڑ گئے، اور قدم رکھنا مشکل ہو گیا حسنِ اتفاق یہ کہ نواب آصفجاہ نظام دکن مالوے مین فوجین لیے پڑے ہوئے تھے، لشکریون مین سے ایک نیکدل نے ان کے حال سے مطلع ہو کر، نہایت فیاض دلی کی، گھر مین لے جا کر مہمان اُتارا، اور ایک پر تکلف رتھ سواری کو دی، چونکہ ان کے فضل و کمال کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا، نواب آصفجاہ کے دربار مین تقریب ہوئی، چنانچہ شعبان ۱۱۵۰ھ مین حضوری کا موقع حاصل ہوا، انھون نے اگرچہ کبھی تمام عمر امرا کی مدح مین زبان آلودہ نہین کی، لیکن سفرِ حج کے شوق اور بیتابی مین خودداری کا سررشتہ ہاتھ سے جا تا رہا، دربار مین جا کر یہ رباعی پڑھی

اے حامیِ دین، محیطِ جود و احسان — حق داد ترا خطاب آصف شایان

او تخت بہ درگاہ سلیمان آورد — تو آلِ نبی را بہ حرم کعبہ رسان

سو، اتفاق یہ کہ نواب اس زمانے مین مرہٹون سے معرکے کر رہے تھے، اور بھوپال کی حدود مین ہر طرف آتشِ جنگ مشتعل تھی، اس وقت مسلمانون مین عصبیت کا اس قدر اثر باقی تھا، کہ ان کے ہاتھ قلم کے ساتھ تلوار سے بھی آشنا تھے، آزاد نے بھی ان معرکون مین شرکت کی چنانچہ فخریہ کہتے ہین ؎

من ہم آن روز در صفِ اسلام — با یکے ذوالفقار خون آشام
قدمِ پُر دلانہ افشردم — حملہا بر مخالفان بردم
تشنگیہائے روزۂ رمضان — کردہ از کام تا جگر بریان
سفرِ کعبہ و صیام و جہاد — این سہ دولت مرا بہم رو داد

رمضان کے اخیر مین صلح ہو گئی، اور نواب نے مطمئن ہو کر آزاد کے زاد و راحلہ کا معقول بند و بست کر دیا، شروع شوال مین یہ بھوپال سے نکلے، اور برہان پور ہوتے ہوئے، اوذ قعدہ کو بندر سورت مین پہنچے، ۲۴ کو جہاز مین سوار ہوئے، ۱۰ محرم ۱۱۵۱ھ کو جدے مین اترے، سورت سے جدہ تک کا سفر تقریباً دو مہینے مین طے ہوا، شیخ محمد فاخر الہ آبادی جو مشہور صوفی اور شاعر گذرے ہین، اس زمانے مین یہین تھے، آزاد کی آمد کی خبر سنکر بڑے اشتیاق سے لینے آئے، آزاد جہاز سے اترے، تو پہلے ان ہی سے آنکھین چار ہوئین، دونون بڑی گرمجوشی سے ملے، جدہ سے چلکر ۲۳ محرم کو مکہ سے نکلے، پورے ایک مہینہ مین مدینہ پہنچے، اس وقت ان کی عمر ۳۶ برس کی تھی،

شیخ حیات جو سندھ کے رہنے والے تھے، اور اس وجہ سے سندی کہلاتے تھے، اس زمانے کے بہت بڑے محدث تھے، انھون نے ہجرت کر کے مدینہ منورہ مین قیام اختیار کر لیا تھا،

آزاد نے اس موقع کو نہایت غنیمت سمجھا، اور ان کی خدمت مین حاضر ہو کر صحاح ستہ کی سند لی، اکثر راتون کو مسجد نبوی مین جاکر صحیح بخاری کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اسی زمانے مین ایک غزل لکھی، جس کا مطلع یہ ہے ؎

نمود جلوۂ اعجاز شمع مطلبی | نماند شوخیِ چشم شرار بولہبی

آٹھ مہینے یہان قیام رہا، ۱۴ر شوال کو حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، اور ۲۶ر کو مکہ معظمہ پہنچے، یہان مناسک اور اعمالِ حج کے ساتھ تحصیلِ علم کا سلسلہ بھی جاری رہا، شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری، جو مشہور محدث گذرے ہین، ان سے حدیث کی تحصیل کی، حج کے بعد طائف کا قصد کیا، اور مزارات متبرکہ کی زیارت کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مزار پر حاضر ہوے تو یہ شعر زبان سے نکلے، ؎

اے صبا رو بہ مزار پسرِ عمِّ نبی | خاکِ آن روضہ کم از عنبرِ ترنشناسی

کردہ ام خوب تماشا چمنِ طائف را | نہ رسد ہیچ گل او بہ گلِ عباسی

ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ مین طائف سے روانہ ہو کر جدے پہنچے، اور ۳ر جمادی الاولیٰ کو جہاز پر سوار ہوئے، جہاز آٹھوین دن بندرگاہ مخا مین پہنچا، یہان شیخ شاذلی کا مزار ہے، چونکہ جہاز نے چارون تک یہان لنگر کیا، یہان کی خوب سیر کی، شاذلی کے مزار پر فاتحہ پڑھی، ۲۹ر جمادی الاولیٰ کو جہاز بندرگاہ سورت مین پہنچا، جدے سے سورت تک کا راستہ ۲۶ر دن مین طے ہوا،

سورت مین پانچ مہینے تک قیام رہا، وہان سے اورنگ آباد مین آئے، اور بابا شاہ مسافر نقشبندی کی خانقاہ مین اترے[1]، چند روز تک گوشہ نشینی کی لیکن سیاحت کا شوق طبعی تھا، دکن کے مختلف مقامات مین پھرتے رہے، آخر اورنگ آباد مین مستقل قیام اختیار کیا، اور یہین ۱۲۰۰ھ مین وفات پائی،

[1] مآثر الکرام شاہ حبیب اللہ قنوجی کے ذکر ضمناً لکھا ہے کہ اس خانقاہ مین سات برس تک قیام رہا،

تصنیفات

تصنیفات کی تفصیل سے پہلے یہ کہنا ضرور ہے، کہ ان کی تصنیفات ہندوستان مین اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہین، فنِ رجال اور تاریخ اگرچہ مسلمانون کا گویا خاص فن ہے، لیکن ہندوستان کی علمی حالت کی کچھ ایسی افتاد پڑی تھی کہ ابتدا سے اس زمانے تک کسی نے ایک کتاب بھی اس فن پر نہ لکھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے سیکڑون ہزارون علما و فضلا کے حالات پر آج گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے، آزاد سب سے پہلے شخص ہین جس نے ہندوستان کے علما اور اربابِ عمائم کے حالات قلمبند کئے، آزاد نے اس اولیت پر خود جابجا فخر کا اظہار کیا ہے، اور بجا کیا ہے[1]، اب تصنیفات کی تفصیل ملاحظہ ہو،

سروِ آزاد، شعرا کا تذکرہ ہے،

یدِ بیضا، یہ بھی شعرا کا تذکرہ ہے، اور شاید سب سے پہلی تصنیف ہے، پہلا نسخہ سیوستان (سندھ) مین لکھا تھا، پھر ہندوستان پہنچکر بہت کچھ تصرف کیا، اور سنہ ۱۱۴۸ھ مین دوسرا اڈیشن شائع کیا، مین نے اس کتاب کا اصلی مسودہ ان کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے،

مآثر الکرام، خاص بلگرام، اور عموماً فقرا، اور علماے ہندوستان کے حالات مین ہے، سنہ ۱۱۵۰ھ سے پہلے اس کی تصنیف کی ابتدا ہوئی تھی کہ سفرِ حج پیش آیا، اور مسودہ ناتمام رہ گیا، سنہ ۱۱۵۲ھ مین جب اورنگ آباد مین آئے، تو وطن سے مسودہ منگوا کر کتاب پوری کی،

خزانۂ عامرہ، خاص ان شعرا کے حالات مین ہے، جن کو دربارِ شاہی سے صلے ملے ہین، اس مین ہندوستان کی تخصیص نہین ہے، سنہ ۱۱۷۶ھ کی تصنیف ہے، جب کہ اُنکی عمر ۶۱ برس کی تھی،

[1] سبحۃ المرجان صفحہ ۲۶،

روضتہ الاولیاء، صوفیہ کے حالات مین ہے،

سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات، ثابت کیا ہے کہ سادات کا خاتمہ ضرور اچھا ہوتا ہے،

دیوانِ عربی، کئی دیوان ہین جن کی مجموعی تعداد تین ہزار شعر ہین، یہ چھپ بھی گئے ہین

دیوان فارسی،

شرح بخاری، چند ابواب کی شرح کی ہے، اسکا قلمی نسخہ بعض احباب کے کتب خانے مین موجود ہے،

آزاد نے جابجا تصریح کی ہے کہ وہ ہندی یعنی بھاشا زبان سے پوری واقفیت رکھتے ہین، خزانۂ عامرہ مین ابو مسعود سلمان کے حالات مین لکھتے ہین،

"من اگرچہ دو دیوان دارم عربی و فارسی، لکن شعر ہندی را بخجب می فہم وازچاشنیِ آن حظ مستوفی دارم"

مسلمانون پر یہ بڑا اعتراض ہے کہ انھون نے اگرچہ تمام دنیا کے علوم وفنون کے ترجمے کیے لیکن کبھی زبان کی انشاپردازی سے فائدہ نہین اٹھایا، انتہا یہ کہ یونانی زبان جو مسلمانون کے علوم کا اصلی سرچشمہ ہے، عربی نظم ونثر اس سے مطلق متاثر نہین معلوم ہوتے، بے شبہہ اس اعتراض کا جواب نہین ہوسکتا، لیکن اس اعتراض کے وزن کو فیضی وآزاد نے کسی قدر کم کردیا ہے، فیضی کی نل دمن مین ان نازک اور لطیف استعارات کا صاف پرتو ہے، جو سنسکرت کے ساتھ مخصوص ہین، اور آزاد نے توسبحۃ المرجان مین ایک خاص باب باندھا ہے، جس مین انھون نے عربی زبان مین بھاشا کے خیالات اور شاعرانہ صنائع منتقل کیے ہین، ان مضمونون کی تعداد ۲۳ ہے، اور عربی زبان مین آزاد نے ان کے یہ نام رکھے ہین، تنزیہ، تشبیہ الشئی بنفسہ، تشبیہ البرہان

انتزاع تشبیہ البرہان، انتزاع تشبیہ السلب، تشبیہ النفی، تشبیہ التسویہ، تشبیہ الاستعارہ، تشبیہ التمنی، التفضیل علی التفضیل، تفضیل التعبیر، براعۃ الجواب، جمع الخزانہ و تفریق، قلب الماہیۃ، الاستبداد، الطغیان، التسلط، الاغتسات موالاۃ العدد، مغالطہ، التاویل، اضمار النہی، التنوع،

آزاد نے لکھا ہے کہ یہ صنعتین ہندی زبان کے ساتھ مخصوص ہین، جو عربی و فارسی مین نہین پائی جاتین، باقی اور زبانون مین بھی مشترک ہین،

آزاد نے ہندی کے بحور و قوافی کا بھی عربی سے مقابلہ کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین کہ ہندی کی اکثر بحرین عربی و فارسی سے مختلف ہین، لیکن بحر تقارب، کفن الخلیل، اور بحر سریع، ہندی مین بھی ہے، ایک بڑا فرق یہ بتایا ہے، کہ ہندی مین بعض بحرین ایسی ہین، جنکا قافیہ مصرع کے آخر کے بجاے وسط مین آتا ہے، اور باوجود اس کے یہ بحر مطبوع اور دلپسند ہے،

تصنیفاتِ مذکورہ مین سے سبحۃ المرجان، اور مآثر الکرام، تذکرۂ علما کی حیثیت سے قابلِ لحاظ ہین، اگرچہ حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے ہین، لیکن جو لکھا ہے مستند لکھا ہے، قدما کے حالات مین اختصار کے لئے تو عذر موجود تھا کہ ماخذون کا پتہ نہین، لیکن اپنے زمانے کے علما کے حالات مین بھی نہایت اختصار برتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ کوتاہ قلمی اُن کا خاصہ ہی ہے،

شعرا کے تذکرے مین جو تین کتابین لکھی ہین، ان مین سے خزانۂ عامرہ زیادہ مفصل اور مبسوط ہے، اس کے دیباچے مین کتاب کے ماخذ بتائے ہین، ان مین لب اللباب عوفی یزدی کا نام بھی ہے، یہ کتاب ہماری نظر سے گذری ہے، اور اس لیے ہم کو افسوس ہوتا ہے کہ ایسے عمدہ ماخذ سے آزاد نے پورا فائدہ نہین اٹھایا، تاہم خزانۂ عامرہ مین بعض ایسی خصوصیات ہین جن کی داد دینی چاہئے،

اوّل تو اکثر شعراء کے ذکر مین ایسے شاعرانہ دلچسپ مباحث لکھے ہین جن مین تنقید کی جھلک پائی جاتی ہے،

دوسرے جابجا ضمناً ایسے فوائد بیان کرتے جاتے ہین، جو تحقیقاتِ علمی کی جان ہین،

شعر و شاعری کے نو دولت اکثر تصحیح الفاظ پر بہت جان دیتے ہین، اور ذرا سے تبدل و تغیر پر اس قدر ہنگامہ آرائی کرتے ہین کہ گویا وحیِ الٰہی کا کوئی لفظ ادل بدل ہو گیا ہے، آزاد نے ایک موقع پر سیکڑون الفاظ گنائے ہین، جو قاعدے کی رو سے بالکل غلط اور ناجائز ہین، لیکن اساتذہ کے ہان برابر برتے جاتے ہین،

مثلاً[1]

ازبسکہ در مشقِ جنون رسوا شدم پیرا دہر | خندند بر من نوخطان، طفلانِ مکتب خانہ ہم

ظہورِ حسن تو ہنیتی بہ دوران داد | کہ بادشاہ ز رعیت نمی ستاند باج

اے رنگ آمیز این گہرہا | دے از تو گدازش صورہا

نیست گر دیوانۂ جامی تعجب بہر چیست | کز عجائب ہائے دوران دیدہ را خاتم رسید

غمزہ در تاخت خوش کزین تاہل | گرہ دو اسرار ہائے پنہان فاش

باطل السحر اگر ورد زبانم گردد | کہ نگہ دار دازان چشمِ فسون ساز مرا

بعض جگہ دقیق علمی مباحث بیان کئے ہین، جس سے ان کی علمی دقتِ نظر کا ثبوت ہوتا ہے، یہ سب ہی، لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ جو چیز تذکرے کی جان ہے، وہی نہین، ایران مین تذکرے سے مقصود عمدہ اشعار کا انتخاب ہوتا تھا، چنانچہ ابتدائی تذکرے صرف انتخابات ہین، مرزا صائب کا انتخاب آج بھی موجود ہے، جس مین کسی شاعر کا حال برائے نام بھی نہین، صرف اشعار ہی اشعار ہین، لیکن انتخاب اس درجے کا ہے کہ ہزارون تذکرے اس پر سے نثار کر دیے جائین، والہ داغستانی، اور آتشکدۂ آذر مین گو حالات بھی ہین، لیکن اصل خصوصیت موجود ہے، بخلاف ان کے خزانۂ عامرہ، بلکہ آزاد کے تینون تذکرے

[1] خزانۂ عامرہ ص ۴۰۷،

گویا لغو اشعار کا مجموعہ ہین، تمام کتاب بین مشکل سے ایک آدھ شعر اچھا نکل آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے مین تمام ہندوستان کا مذاق شاعری سخت خراب ہو چکا تھا، مضمون آفرینی یعنی جھوٹی خیال بندی پر لوگ جان دیتے تھے، زبان کی دلآویزی، لطف بندش، لطافت و نزاکت سے کسی کو غرض نہین رہی تھی، چنانچہ اس عہد کے جتنے تذکرے ہین، سب اسی مرض مین مبتلا ہین، خان آرزو کا مجمع النفائس، اس عہد کا عمدہ ترین تذکرہ خیال کیا جاتا ہے، اس کی بھی یہی حالت ہے، یہ بدمذاقی اخیر تک قائم رہی، یہان تک کہ حضرت مرزا مظہر جان جانان نے ریزۂ جواہر انتخاب کیا، مین نے ثقاتِ دہلی سے سنا ہے کہ مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ ہندوستان مین فارسی شاعری کا مذاقِ صحیح جو دوبارہ قائم ہوا، وہ اس انتخاب نے قائم کیا،

آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ان کے چہرۂ کمال کا داغ ہے، اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب ہین، نہایت نادر کتب ادبیہ پر ان کی نظر ہے، لغات اور محاورات ان کی زبان پر ہین، لیکن کلام مین اس قدر عجمیت ہے کہ اس کو عربی کہنا مشکل ہے، ان کو اس پر ناز ہے، کہ انھون عجم کے خیالات، عربی زبان مین منتقل کئے ہین، لیکن نکتہ سنج جانتے ہین کہ یہ ہنر نہین بلکہ عیب ہے، ع

خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

فارسی کی بھی یہی حالت ہے، سیکڑون ہزارون اشعار ہین، ایک شعر بھی ایسا نہین نکلتا جو اہل زبان کا کلام سمجھا جائے، آزاد نے والہ داغستانی کے حال مین لکھا ہے، کہ "چونکہ میری اور ان کی بہت کم صحبت رہی، اس لئے نہ مین نے ان کا ذکر سرو آزاد مین کیا، نہ انھون نے میرا ذکر ریاض الشعرا مین کیا،

اپنے خیال کے متعلق جو کچھ آزاد نے لکھا صحیح لکھا، لیکن والہ داغستانی کی نسبت الحاد احسن ظن ہے

ورنہ وہ غسانی، آزاد کے کلام کو اس قابل کب سمجھتا تھا، کہ تذکرے مین درج کرتا، اس نے جابجا تصریح کی ہے کہ ہندوستانی شعرا جس زبان مین شعر کہتے ہین، خدا جانے کس ملک کی زبان ہے،

آزاد کے علمی کارنامون کے تذکرے مین **مآثر الامرا** کا ذکر قلم انداز نہین کیا جاسکتا، یہ کتاب کتاب فنِ تاریخ مین اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک ایسی کتاب ہے، جس کی نظیر عربی زبان مین بھی باوجود اس وسعت اور فراوانیِ مواد کے موجود نہین، صمصام الدولہ شاہنواز خان، نواب آصفجاہ دکن (مورثِ اعلائے حضور نظام دکن) کے امرا مین سے تھے، انھون نے ایک کتاب خاص اس موضوع پر لکھنی چاہی کہ بابر کے زمانے سے اخیر عہد تک دولتِ تیموریہ مین جس قدر عہدہ دارانِ سلطنت گذرے ہین، سب کے حالات قلمبند کیے جائین، چنانچہ مآثر الامرا کے نام سے اس کتاب کی تدوین و ترتیب شروع کی، پورے پانچ برس اس کام مین صرف ہوے اگرچہ امیر موصوف کا علمی پایہ خود اسقدر بلند تھا، جو ایسی تصنیف سے عہدہ برآ ہونے کیلیے کافی تھا، تاہم امارت کی راحت پرستی سے حسب دلخواہ سامان نہ ہو سکا، امیر موصوف اس نکتے سے غافل نہ تھے، انھون نے اس موقع پر آزاد کو یاد کیا، یہ اس وقت اپنے وطن بلگرام مین تھے، وہین قاصد بھیجا، اور سفر کے لیے ہر طرح کے سامان مہیا کیے، مین نے حیدرآباد مین خود آزاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے، جس مین وہ ایک دوست کو لکھتے ہین کہ نواب صمصام الدولہ نے مآثر الامرا کا مسودہ بھیجا ہے، کتاب اچھی ہے، لیکن چونکہ ترتیب کے لحاظ سے سخت اصلاح کی محتاج ہے، مین نے نواب موصوف کو لکھا کہ یہ کام اتنی دور سے انجام نہین پا سکتا، نواب نے میرے لیے پالکی کی ڈاک کا انتظام کر دیا ہے، دو مہینے مین اورنگ آباد پہنچونگا، اور مسودہ کو درست کرونگا"، اس زمانے کے امرا کے علمی شوق کو دیکھو کہ ہزارون کوس فاصلے سے اہل فن کو ان کامون کے لیے بلواتے تھے، بہرحال آزاد نے اورنگ آباد پہنچکر کتاب کی اصلاح و ترتیب کی،

لیکن بدقسمتی یہ کہ نواب موصوف ایک لڑائی مین مارے گئے، اور ان کے کتب خانے کے ساتھ یہ کتاب بھی اوراقِ خزان کی طرح برباد ہوگئی۔ آزاد نے بڑے تفحص سے پورے ایک برس کے بعد مسودہ کا پتہ لگایا، لیکن تمام اجزا درہم برہم ہوگئے تھے، بڑی مشکل اور دیدہ ریزی سے آزاد نے ان کی ترتیب کی، لیکن قطب الملک عبداللہ خان کا حال سرے سے نہ تھا، امیر الامراء حسین علیخان کا تذکرہ ابتدا سے ناقص تھا، آصف جاہ و نظام الدولہ کا حال خود مصنف نے قلم انداز کردیا تھا، آزاد نے ان سب کے حالات خود لکھے، اور کتاب مین شامل کئے ابوالفضل اور سعد اللہ خان کا حال بھی مسودہ مین نہ تھا، غرض آزاد نے مسودہ کے اجزاء مرتب کئے، ناتمام حالات کی تکمیل کی، حمد و نعت لکھی، انہی کی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے تاریخی خزانے مین ایک ایسے نایاب جوہر کا اضافہ نظر آتا ہے، اسی کے ساتھ ہم کو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا ممنون ہونا چاہئے، جس نے اس بیش بہا سرمایہ کو شائع کرکے عام کردیا،

معاصرین اور علمی صحبتین

آزاد کا عہد وہ عہد تھا، جب سلطنت تیموریہ کا آفتاب ڈھل چکا تھا، اس بناپر علمی دربار کے ارکان بھی اس پایہ کے نہین رہے تھے، تاہم ملا نظام الدین، محب اللہ بہاری، عبدالجلیل بلگرامی شیخ علی حزین، خان آرزو، والہ داغستانی وغیرہ جیسے فاضل اور نکتہ سنج موجود تھے، آزاد کو ان مین سے اکثرون سے صحبتین رہین، ان صحبتون مین انکے فضل و کمال، اخلاق و عادات کے جوہر زیادہ کھلتے ہین، اس لیے ہم اُن کو ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین،

ایک دن نواب ناصر جنگ شہید کے ہان (فرزند آصفجاہ) جن کا ذکر ذرا تفصیل سے آگے آتا ہے، اہلِ سخن کا مجمع تھا، کسی نے مرزا صائب کا یہ شعر پڑھا، ؎

اہلِ کمال را لبِ اظہار خامشی است | منت پذیرِ ماہِ تمام از ہلال نیست

اس کے معنی مین سخت اختلاف ہوا، اور واقعی اختلاف کا موقع تھا، ماہ تمام یعنی بدر کا ہلال سے منت پذیر نہونا ایک بے معنی سی بات تھی، حاضرین بڑے زور شور سے گرم مباحثہ تھے کہ دفعتہً آزاد نے کہا کہ یہان ماہِ تمام سے بدر مراد نہین، بلکہ پورے مہینے کا چاند مراد ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کمال کا چپ رہنا بھی ان کے کمال کا اظہار کر دیا ہے، لیکن اس دعوے کی شاعرانہ دلیل یہ ہے کہ جو مہینہ انتیس۲۹ دن کا ہوتا ہے، ماہِ نو کا محتاج ہوتا ہے، لیکن جو مہینہ پورے تیس دن کا ہوتا ہے اس کو ہلال کی حاجت نہین، سب نے آزاد کے معنی فہمی کی داد دی،

ایک دن نواب موصوف دربار مین آئے، تمام شعرا، وفضلاے دربار مثلا صمصام الدولہ شاہنواز خان، موسوی خان، جرأت اورنگ آبادی، رضوی خان، میرزا جان رسا، نقد علی خان ایجاد، وغیرہ ہمرکاب تھے، نواب نے تازہ غزل جو آزاد سے اصلاح پا چکی تھی پڑھنی شروع کی، ایک شعر مین سرو کو خرامان باندھا تھا، اس شعر پر سب کی نگاہین معترضانہ اٹھین، نواب نے آزاد کی طرف دیکھا، یعنی شعر آپ کی نظر سے گذر چکا ہے، آزاد نے فوراً مرزا صائب کا شعر سند مین پڑھا، ؎

یک رہ بر آر از آستین دست نگارین در چمن | تا دستہا پنہان کند سرو خرامان در بغل

جرأت نے کہا کہ مرزا صائب سے تعجب ہو کہ سرو کو خرامان باندھا، سرو چلتا پھرتا نہین، خرامان کیونکر ہو سکتا ہے، آزاد نے کہا شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے، شاخین جو ہوا کے اشارے سے ہلتی ہین، جس سے درخت جھومتا نظر آتا ہے، یہی درخت کا خرامان ہوتا ہے، عربی مین اسی لحاظ سے شاخ کو میاد کہتے ہین، صائب کے سوا اور شعرا نے بھی سرو کو خرامان باندھا ہے، خواجہ حافظ فرماتے ہین، ؎

سرو از صبا گر و دچمان تا چو قدت باروان شدن | ہر چند بجز اندہ با آن سرو خرامان کے رسد

شیخ علی حزین اس زمانے کے سب سے بڑے مشہور شاعر تھے جس زمانے میں وہ ایران سے چل کر ہندوستان آ رہے تھے، جب سیوستان پہنچے تو اتفاق سے آزاد سیوستان سے روانہ ہو کر وطن کو جا رہے تھے، راستے میں ایک مقام پر اتفاقیہ ملاقات ہوگئی، بہت پُرلطف صحبت رہی، حزین اگرچہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، لیکن معلوم نہیں کس خیال سے آزاد کی بڑی قدر دانی کی، اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں آزاد کو تحفۃً دیں، خانِ آرزو نے حزین پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان میں سے بعض کا جواب آزاد نے خزانۂ عامرہ میں دیا ہے اور اچھی سندیں بہم پہنچائی ہیں،

خان آرزو سے آزاد کی غائبانہ ملاقات تھی، خان موصوف نے اپنے تذکرہ مجمع النفائس میں آزاد کا ذکر دو جگہ کیا ہے، اور خوبی سے کیا ہے،

شاہ آفرین لاہوری پنجاب کے مشہور شاعر تھے، آزاد جس زمانے میں سندھ کی طرف سے جا رہے تھے ۹ محرم ۱۱۴۳ھ میں لاہور میں ان سے ملاقات ہوئی، دوسری دفعہ سندھ سے واپس جاتے ہوئے، رجب ۱۱۴۷ھ لاہور میں اترے، اور ۵ دن تک قیام کیا، اس زمانے میں متعدد صحبتیں رہیں، آزاد، ید بیضا لکھ چکے تھے، آفرین نے بڑے اصرار سے اس کی نقل لی، اور اپنی مثنوی انبان معرفت ان کی نذر کی،

حاکم لاہوری شاہ آفرین کے شاگرد تھے، اور دربار شاہی سے توسل رکھتے تھے، آخر ترکِ تعلق کر کے واقف لاہوری کے ساتھ حرمین کا قصد کیا، واقف بیمار ہو کر سورت میں رہ گئے، حاکم کو حج کی دولت نصیب ہوئی، حج سے واپس آ کر، حاکم اور واقف دونوں اورنگ آباد میں آئے، یہیں آزاد سے ملاقات ہوئی، حاکم نے یہاں رہ کر ایک تذکرۃ الشعراء لکھا، جس میں صرف ان شعرا کا حال قلمبند کیا، جن کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، تحفۃ المجالس نام رکھا، آزاد سے ذکر آیا، تو انھوں نے کہا موضوع کی مناسبت سے مردم دیدہ زیادہ مناسب ہوگا، حاکم چھڑک

اٹھے، اور یہی نام رکھا، خاتمے مین اس کا ذکر بھی کیا ہے، چنانچہ کہتے ہین، ؎

نسخۂ تازہ کردہ ام تالیف — کہ ازو تازہ شد روان سخن

نام او کردہ مردم دیدہ — آنکہ بودہ است راز دانِ سخن

اسم سامیِ او غلام علی است — سرو آزاد و بوستانِ سخن

والہ داغستانی سے آزاد کی صحبت برابر نہ ہوئی، والہ اور آزاد کا ساتھ سفر مین ہوا، سیوستان سے دلی تک دونون ہم عنان آئے، ایک دن والہ نے آزاد سے کہا کہ آؤ ہم تم گھوڑے دوڑائین، آزاد نے اول انکار کیا، لیکن والہ کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا، والہ کی سواری مین ایرانی گھوڑا تھا، تاہم آزاد کے ہندی گھوڑے کا مقابلہ نہ کر سکا، اور پیچھے رہ گیا، والہ نے نہایت برا مانا، ایک دن آزاد نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

زدہ ام بر سر جہان پاپوش — بے سبب این برہنہ پائی نیست

والہ نے کہا ہمارے ملک مین کفش کہتے ہین، پاپوش نہین کہتے، آزاد نے مرزا صائب کا یہ شعر پڑھا، ؎

چرخ دودے است کہ از خرمنِ من خاستہ است — خاک گردے است کہ افشاندۂ پاپوشِ من است

ایک دن والہ نے کہا کہ طیار کا لفظ طا حطّی سے ہے یا تائے قرشت سے، آزاد نے کہا میرزا محمد رفیع کے شعر سے مستنبط ہوتا ہے کہ طائے حطّی سے ہے ؎

دارد چو مرغ عمرت پرواز بس بہ سرعت — اسبابِ عیش و عشرت طیار گو نہ باشد

میرزا سعید اشرف کا کلام بھی اسکی تائید کرتا ہے، ؎

می پرد باز از ہوئے عشقِ او رنگ از رخم — گرچہ باز بجز موج بادہ طیارش کنم

نور العین واقف سے بہت یارانہ تھا، مختلف وقتون مین آزاد نے ان کی بڑی مدد

ایک دفعہ یہ اورنگ آباد سے ہندوستان کو جا رہے تھے، راستہ مین ڈاکہ پڑا، جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی، صرف ایک عینک اور تھوڑا سا پارہ جو موسیقی کے شوق مین ساتھ رہتا تھا بچ گیا، واقعہ نے بالا پور پہنچکر آزاد کے پاس ایک قاصد بھیجا، اور حقیقتِ حال سے اطلاع دی، خط مین یہ شعر بھی لکھا تھا، ؎

عینکے و پارۂ سیماب با ما ماندہ است
چشمِ بیخواب و دلِ بیتاب با ما ماندہ است

آزاد نے ہنڈوی کے ذریعہ سے کچھ روپیے بھیجدیے،

(الندوہ جلد دوم نمبر ۲
اپریل ۱۹۰۵ء)

فرید وجدی بک

ہندوستان اور مصر کے مسلمانون کی حالت اگرچہ اکثر باتون مین ملتی جلتی ہے، لیکن بعض حالات مین تعجب انگیز اختلاف ہے، ان مین سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان مین اب تک ہر قسم کی علمی، سیاسی، تمدنی کام جو انجام پائے ہین وہ قدیم تعلیم یافتہ بزرگون کے ہاتھ سے انجام پائے ہین، سر سید، نواب محسن الملک، نواب انتصار جنگ، آزاد، نذیر احمد، حالی قدیم طریقہ کے تعلیم یافتہ ہین، بخلاف اس کے مصر مین جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے، سب جدید تعلیمیافتہ لوگون کا زور دست و بازو ہے مصطفیٰ کامل پاشا جو سیاستِ مصر کا علمبردار ہے، قاسم بک امین جس نے سب سے پہلے جنسِ لطیف کی آزادی کی حمایت کی، فرید وجدی بک جس نے فلسفۂ حال اور اسلام کی تطبیق پر ایک وسیع لٹریچر پیدا کر دیا، سب کے سب جدید تعلیم کے پیداوار ہین،

فرید وجدی بک کی تصنیفات کا چونکہ ہم نے بھی اپنی تصنیفات مین جابجا ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے مختصر حالات ناظرین[1] کے پیشکش کرین،

فرید وجدی ۱۸۷۵ء مین بمقام اسکندریہ پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام مصطفیٰ بک وجدی ہے، جو نہر سویز کے محکمہ مین دکان کے منصب پر ممتاز تھے،

فرید وجدی ۸ برس کی عمر مین اسکندریہ کے ایک اسکول مین جو مدرسہ اسمٰعیل آفندی کے نام سے مشہور ہے داخل ہوئے، نوین برس مین اس مدرسہ کو چھوڑ کر انھون نے حمزہ قبطان

---

[1] یہ حالات پرچہ مجلۃ المجلات المصریہ سے لے گئے ہین،

مدرسہ مین نام لکھوایا، پھر مالینوفالو کے اسکول مین داخل ہوئے ۱۸۸۲ء مین جب ان کے والد سویز سے بدل کر قاہرہ مین آگئے تو یہ بھی ان کے ساتھ آئے اور مدرسۂ توفیقیہ مین داخل ہوئے، لیکن ان کے والد نے اس خیال سے کہ یہ جلد تعلیم سے فارغ ہوجائین، خانگی طور پر بھی تعلیم کا انتظام کیا، پھر ان کے والد دمیاط مین بھیجدیئے گئے، یہ بھی والد کے ساتھ چلے آئے، یہان انھون نے معمولی درسی علوم چھوڑ کر خاص فلسفہ پر توجہ کی اور اسلام وفلسفہ کی مطابقت پر غور کرتے رہے، چنانچہ ۱۸۹۸ء مین مذہب اور تمدن کی مطابقت پر ایک کتاب لکھی جسکا نام تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ علی نوامیس الطبیعۃ ہے، ان کے والد پھر بدل کر سویز مین آگئے، جہان انھون نے الحیواۃ کے نام سے ایک ماہوار پرچہ نکالا جو ایک مدت تک نکل کر بند ہوگیا، اس مین عموماً مذہبی اور فلسفیانہ مضامین ہوتے تھے لیکن چونکہ مصر کی آب وہوا مین آج کل پالیٹکس سرایت کرگئی ہے، اس لیے یہ اس دائرہ مین محدود نہین رہ سکے، اور ایک روزانہ پرچہ دستور کے نام سے نکالا، جو نہایت دلیری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتا ہے،

فرید وجدی نے اس وقت تک جو کتابین تصنیف کین حسب ذیل ہین،

تطبیق۔ (اس پر گذر چکی) یہ کتاب بھی فرینچ زبان مین لکھی تھی،

الفلسفۃ الحقہ فی بدائع الاکوان،

الحدیقۃ الفکریہ فی اثبات اللہ بالبراہین الطبیعیہ،

المرأۃ المسلمۃ،

الاسلام فی عصر العلم، یہ بھی پانزدہ روزہ پرچہ تھا،

صفوۃ العرفان فی تفسیر القرآن،

سفیر الاسلام الی سائر الاقوام،

کنز العلوم واللغۃ، یہ گویا انسائیکلوپیڈیا ہے، چالیس روپیہ قیمت ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود تعلیم جدید کے عورتوں کی آزادی اور خودمختاری کے متعلق اس کے خیالات جدید تعلیم کے بالکل مخالف ہیں، قاسم بک امین کی کتاب تحریر المراۃ کا اس نے جو جواب لکھا وہ درحقیقت لاجواب تھا،

یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ بخلاف عام جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے وہ فرائض مذہبی کا نہایت پابند ہے، کسی وقت کی نماز میں کبھی تاخیر یک نہیں ہو سکتی، شراب کو کبھی اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا، کاش ہمارے ملک کے نوجوانوں میں بھی کوئی فرید وجدی ہوتا،

فرید وجدی کے کمالات کے اعتراف کے ساتھ ہم کو کسی قدر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی مذہبی معلومات سطحی اور سرسری ہیں، اس لئے جب وہ حدیث یا قرآن مجید کے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو ان کی کم مایگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے،

(الندوہ۔ جلد ۵ نمبر ۸)

ستمبر ۱۹۰۸ء

مکتبۂ دار المصنّفین

سلسلۂ مقالاتِ شبلی

حصۂ اوّل مولنا کے مذہبی مضامین کا مجموعہ	ہیے
حصۂ دوم مولنا کے ادبی مضامین کا مجموعہ	یعہ
حصۂ سوم مولنا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ	یعہ
حصۂ چہارم مولنا کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ	یعا
حصۂ پنجم اکابرِ اسلام کے سوانح و حالات	یعہ
حصۂ ششم (مولنا کے تاریخی مقالات)	ہیے
حصۂ ہفتم (مولانا کے فلسفیانہ مضامین)	عہ
حصۂ ہشتم (قومی و اخباری مضامین)	عا
خطباتِ شبلی علمی و مذہبی و قومی تقریرین کا مجموعہ	یعہ
انتخاباتِ شبلی شعرالعجم و موازنہ کا انتخاب	یعا

معارف

(سُلیمان نمبر)

معارف کا سلیمان نمبر جس کا قدر دانِ معارف

سے انتظار تھا گذشتہ مئی و جون کے پرچون

کر دیا گیا ہے، اس مین مولنا سید سلیمان ند

علیہ کے سیر و سوانح، اخلاق و شمائل، فضا

اور اُن کے علمی و دینی، قومی و ملی، اصلاحی

اور خدمات کا پورا مرقع آگیا ہے پہلے سیرت و سو

پھر عمومی حیثیت کے مضامین ہین آخر مین مرحوم

تصوّف پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر نظمون کا حص

علاوہ محصول ڈاک للعہ اور معارف کے مستقل خرید

تاریخ دعوت و عزیمت

حصۂ اوّل

یعنی عالم اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششون کا تاریخی جائزہ نامور مصلحین اور ممتاز

و عزیمت کا مفصل تعارف، اُن کے علمی و عملی کارنامون کی روداد، اور اُن کے اثرات و نتائج کا تذکر

سید ابوالحسن علی ندوی۔ قیمت علاوہ مح

(طابع و ناشر صدیق احمد)